اَلرّدُّ عَلَی الْمُتَعَصّبِ الْعَنِیْدِ
اَلْمَانِعِ مِنْ ذَمِّ یَزِیْدَ
یزید کی شخصیت
علّامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں
الداعی الی الخیر: نوجوانانِ اہلسنت اسلام آباد (پاکستان)
www.ahlesunnatpak.com
www.youtube.com/user/720085
(المتوفی ۵۹۷ھ)
الامام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمّد بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ
مقدمہ
حضرت مولانا ڈاکٹر مُفتی عبدُالواحِد دامت برکاتہم
مترجم
مولانا مُفتی شعیب احمد
بسعی واہتمام
میاں رضوان نفیس
شاہ نفیس اکادمی
۱۱/۲۷ سعدی پارک، مزنگ، لاہور
۰۳۲۱ ۹۴۴۸۴۴۲

سلسلۂ اِشاعت نمبر 11

نام کتاب: .... یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی نظر میں

مصنف: .... الامام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمہ اللہ

مترجم: .... مولانا مفتی شعیب احمد

بسعی واہتمام: .... میاں رضوان نفیس

طبعِ اوّل: .... شوال المکرم ۱۴۳۳ھ/اگست ۲۰۱۲ء

ٹائٹل: .... جمیل حسن، تلمیذ رشید حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ

قیمت: ....

ناشر: .... شاہ نفیسؒ اکادمی، ۱۱/۲۷ سعدی پارک مزنگ

لاہور ۰۳۰۰-۴۱۸۴۷۰۹

۰۳۲۱-۹۴۴۸۴۴۲

☆ ملنے کے پتے ☆

۱۔ نفیس منزل، ۳/۷۷ اکریم پارک لاہور

۲۔ مکتبہ قاسمیہ، ۱۷/ اُلفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور

۳۔ مکتبہ سیّد احمد شہیدؒ، اُردو بازار لاہور

۴۔ مکتبہ زکریا، الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور

۵۔ مکتبہ سلطان عالمگیر، ۵/ لوئر مال اُردو بازار لاہور

۶۔ الفیصل، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

۷۔ اِدارہ اِسلامیات، ۱۹۰/ انارکلی، لاہور

۸۔ مکتبہ فاروقیہ، ہزارہ روڈ، حسن ابدال

۹۔ مکتبہ رشیدیہ، اِقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک راولپنڈی

۱۰۔ مکتبہ شہیدِ اِسلام، لال مسجد، اسلام آباد

۱۱۔ دفتر ختم نبوّت یوتھ فورس، ایبٹ آباد روڈ، مانسہرہ

۱۲۔ مکتبہ رشیدیہ، نزد مقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی

الرَّدُّ علی المتعصّب العنید المانع من ذمّ یزید

انتساب

اس ہستی کے نام جس کی رگوں میں دوڑنے والا خون اور دل میں مچلنے والی نسبت اس گنبدِ خضریٰ (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) سے جڑی ہوئی ہے جو نہ صرف فرشیوں بلکہ عرشیوں کی بھی عقیدتوں اور محبتوں کا مدار و محور ہے

-----میری مراد ہیں-------

قطبُ الاقطاب

حضرت سیّد نفیس الحُسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

کہ جن کی نگاہِ کامل سے ان گنت بنجر دلوں میں شادابی آئی، اور بے شمار چٹیل دماغوں میں رسول خدا ﷺ سے جڑی ایک ایک چیز کے بارے میں عقیدت و محبت کے دریا ٹھاٹھیں مارنے لگے۔

شعیبؔ احمد

فہرستِ مضامین

حرفِ رضوان

بسمِ اللہ الرّحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ

ہمارے پیرو مرشد قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مرکزِ محبت ووفا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ محبت کا طریقہ بھی خود ہی تعلیم فرمادیا ہے، ایک حدیث مبارک کے الفاظ ہیں کہ:

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (صحیح بخاری ومسلم)

جب قاعدہ اور دستور یہ ہے کہ محبوب کی ہر چیز بھی محبوب ہوتی ہے، اور جس چیز کو خود محبوب بھی محبوب بتائے اس کو تو لاریب محبوب ترین ہونا چاہیے۔ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے ان کے متعلق تو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"حسن اور حسین میری دنیا کی بہار ہیں"

اس لیے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں ان کے دشمن کو فضیلت دینا بہت بڑی گمراہی اور بدنصیبی ہے۔اور پھر یزید جیسا شخص جس کے فاسق و فاجر ہونے پر تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے۔اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حق پر سمجھا جائے اور اس کی حمایت میں ہر ضابطے کو پامال کردیا جائے تو یہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے۔اپنے لیے بھی اور اپنے ماننے والوں کے لیے بھی۔

اور جو کوئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) باطل اور خاطی سمجھے اور یزید کو برحق سمجھے، اس کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر خدا اور رسول ﷺ کو اذیت پہنچائے تو ان جیسے لوگوں کے لیے اللہ پاک نے قرآن مجید میں واضح طور پر فرما دیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا

(سورۃ الاحزاب: آیت:۵۷)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

کسی بھی آدمی کے لیے اُس کے بیٹے کی گواہی سب سے قابلِ اعتماد اور ثقہ ہوتی ہے۔یزید کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے حضرت معاویہ رحمہ اللہ بن یزید نے جو تاریخ ساز خطبہ دیا وہ دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے کا ہے جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے اصل حقیقت کو آشکارا کردیا ہے۔حضرت معاویہ رحمہ اللہ بن یزید کہتے ہیں:

"میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔اُس نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے سے نزاع کی۔آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل

ختم ہوگئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہو گیا۔ یہ کہہ کر رونے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ) اس نے واقعی رسول اللہ ﷺ کی عترت کو قتل کیا، شراب کو مباح کیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟ اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام............... (الصواعق المحرقہ، ص:۱۳۴، مطبوعہ مصر)

یہ بیٹے کی گواہی ہے اپنے باپ کے حق میں، اب یزیدی حضرات ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ بیٹا کیا کہتا ہے؟ اور یہ بیٹے سے زیادہ یزید کے وفادار کیا کہتے ہیں؟ جن کو نہ اپنے انجام کی فکر نہ اپنے پیروکاروں کی، علامہ ابن تیمیہ اس بات پر بڑے درد کے ساتھ لکھتے ہیں جو اختصار کے ساتھ پیشِ قارئین ہے:

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''المرءمع من احب''

''انسان کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اُسے محبت ہوگی''

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو۔

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴، ص ۴۸۴)

قارئین کرام! یزید اس قابل ہرگز نہ تھا کہ اس پر اپنی توانائیاں صرف کی جائیں اور اس پر بحث کر کے اپنا وقت ضائع کیا جائے لیکن کیا کِیا جائے اس فتنہ پردازی کا جس کی اساس سراسر دھوکہ دہی اور دجل پر ہے، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ

ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے، اس سے سادہ لوح مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لیے یہ خدمت انجام دینا بھی ضروری ہے۔

بزیر دلق ملمع کمند ہا دارند
دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بیں

(دِکھاوے کے چمکدار خرقہ کے نیچے (سادہ لوح اَفراد کو پھنسانے کے لیے) پھندے رکھتے ہیں، ذرا اِن کوتاہ آستینوں کی دراز دستیاں (ظلم وستم) تو دیکھو۔)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو غلط اور یزید کو حق پر سمجھنا اور اُس کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانا، دجل کی ناصبی ٹیکسال پر اُس کے لیے جھوٹی روایات گھڑنا اور اُس کے ظلم وستم، بدکرداری اور فسق وفجور کے متعلق صحیح روایات کو توڑ موڑ کر اُسے نیک وپارسا ثابت کرنا یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے، ہر فتنہ کی طرح اس فتنہ سے بھی لوگوں کو آگاہ کرنے اور ان کا ایمان بچانے کی کوشش کی ذمہ داری ہر دور کے علماء حق اور ان کے پیروکار حضرات پر آتی رہی ہے جس کو ان حضرات نے اور ان کی نیابت میں علماء دیوبند نے کماحقہ ادا کیا ہے۔ ہمارے حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اَکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کے سلسلۃ الذہب کی نمایاں کڑی ہیں، انہوں نے بھی تادم آخر اس خدمت کا حق ادا کیا، جو حضرت رحمہ اللہ کی امتیازی شان اور سب سے نمایاں وصف تھا۔ اللہ پاک ہمارے سب اکابر کو اپنے شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور ہمیں ہمارے بزرگوں کے ساتھ محشور فرمائے (آمین)۔

خدائے بزرگ وبرتر کی شان دیکھیے کہ جب بھی کوئی ایسا عقیدہ لے کر میدان میں نکلا جو لوگوں کی گمراہی کا باعث بنا تو اللہ جل جلالہ نے زمانہ کی سب سے

مقتدر شخصیت کو لوگوں کی رہنمائی کے لیے کھڑا کر دیا۔ انہی یگانۂ روزگار شخصیات میں سے ایک علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذات بابرکات ہے جن کا نام ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے جنہیں قدرت نے بے شمار خوبیوں کا مرقع بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے زمانے میں ایک ایسی ہی تصنیف جو یزید کی بے جا حمایت میں لکھی گئی تھی اس کا ایسا شافی جواب تحریر فرمایا جو تقریباً ساڑھے آٹھ (۸۵۰) سو سال سے یزید کے حمایتیوں کے پھیلائے ہوئے زہر کے لیے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ کتاب عرصہ دراز سے کم یاب چلی آ رہی تھی اور چیدہ چیدہ اَفراد کے پاس اس کے نسخے موجود تھے۔ ہمارے اکابر نے اس کتاب کے حوالے اپنی کتابوں اور تحریروں میں اکثر دیے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک نام پر "شاہ نفیس" اکادمی" کے تحت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش، تربیت اور حکم کے مطابق کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تو اور دوسری بہت سی کتابیں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ شائع کرنا چاہتے تھے، ان کی تلاش و جستجو کے ساتھ ساتھ ہم اس کتاب کے بھی طالب تھے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک مخلص عالم دین جناب قاری ظہور احمد مدظلہٗ کے کتب خانہ سے ہمیں یہ گوہر مقصود ہاتھ آیا اس سفر میں ہمارے مخلص بے ریا جناب مفتی سید رضا علی جعفری زید مجدہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اب اس کے کتاب کے ترجمہ کا خیال شدت سے دل میں پیدا ہوا۔ اس کا اظہار ہم نے مفتی رضا صاحب سے بھی کر دیا۔ اگلے دن شام کو مفتی صاحب جو دوبارہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ اُن کے ہم جماعت مفتی شعیب احمد صاحب زید مجدہٗ بھی تھے جو کہ دار العلوم کراچی کے فاضل اور آج کل لاہور میں ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم کے دار الافتاء والتحقیق کے معین مفتی بھی ہیں ان سے باتوں باتوں میں

اس کتاب کے ترجمہ کا ذکر چلا تو مفتی شعیب صاحب نے مجھ عاجز کی تڑپ کو دیکھ کر ترس فرمایا اور ترجمہ کی حامی بھر لی۔ اسی دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کتاب کے بعض دیگر تراجم بھی دستیاب ہیں لیکن دیکھنے سے مایوسی ہوئی کیونکہ محض لفظی ترجمہ کیا گیا جبکہ یہ کتاب جیسا کہ مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ ایک مخصوص پسِ منظر میں لکھی گئی اور اس کے اصل مخاطب اہلِ علم حضرات ہیں۔ لیکن مذکورہ ترجمہ اُن خصوصیات سے عاری تھا جو ایک علمی اور تحقیقی کتاب کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی گوناں گوں علمی مصروفیات کے باوجود صرف دس (۱۰) دنوں کے اندر اندر نا صرف عمدہ ترجمہ کردیا بلکہ ایک وقیع علمی تحریر کا اضافہ بھی فرمایا جس میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے تعارف اور حالات کے علاوہ تنبیہ کے عنوان سے چند اہم اصولی باتیں بھی ذکر کردیں اس ترجمے کو اس تنبیہ کی روشنی میں ہی پڑھنا چاہیے تاکہ کسی قسم کی کوئی غلط فہمی جنم نہ لے۔

اس کتاب پر مقدمہ حضرت شاہ صاحبؒ کے انتہائی قابل اعتماد اور جلیل القدر خلیفہ، ہمارے دور کی معروف علمی شخصیت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے تحریر فرمایا ہے جو کہ بذاتِ خود ایک بہت بڑا اعزاز اور مجھ مسکین پر ان کا بہت بڑا احسان ہے، اللہ پاک ان کا صحت و تندرستی اور عافیت والا سایہ ہم پر تادیر قائم و دائم رکھے (آمین)۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں ہم حضرت مولانا عبدالحفیظ، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، صاحبزادہ سید زید الحسینی، مولانا محمد عابد، محمد عرفان شجاع، مفتی سید رضا علی جعفری، مفتی عبدالرحمٰن نذر، مولانا احسن احمد، چوہدری منصور صادق، مولانا احمد علی، خواجہ محسن، خواجہ طیب، میاں سعید، میاں نعیم صاحبان اور "حلقۂ اَحبابِ نفیس" کے تمام

کرم فرماؤں کے تہہ دل سے مشکور ہیں جن کی سرپرستی میں یہ نادرِ روزگار کتاب تیار ہو کر منصۂ ظہور پہ آرہی ہے اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک ہماری اس عاجزانہ سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور آخرت میں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے (آمین یارب العالمین)۔

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم سے محبت اور خلوص کی سنو ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے)

خاکپائے شاہ نفیس الحسینی قدس سرہٗ

احقر رضوان نفیس

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

مقدمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ حامداً و مصلیاً

یزید کے بارے میں اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ وہ فاسق تھا۔ لیکن تاریخ کی روایات میں اس کے بارے میں ایک تضاد سا بھی پایا جاتا ہے۔ جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اپنے دورِ حکومت میں یزید کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ والے اس کی بیعت کرنے کے باوجود اس کے بارے میں عدمِ اطمینان کا شکار ہیں تو اس نے ان کا ایک وفد اپنے پاس بلایا۔ اس وفد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی سے ایک صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ بھی تھے۔ وفد کے واپس آنے کے بعد محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کے لوگ یزید کی بیعت توڑنا چاہتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ مجھے تو یزید میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی اس پر وفد کے دیگر لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس کی وہ باتیں معلوم ہیں جو آپ کو معلوم نہیں۔ پھر مدینہ منورہ والوں نے یزید کی بیعت توڑ دی۔ (دیکھیے البدایہ والنہایہ: ۸/۱۸۶)

محمد بن حنفیہ اور مدینہ منورہ کے دیگر حضرات سب ہی کوئی چھوٹے لوگ نہ تھے اور نہ ہی جھوٹ بولنے اور اپنی جانب سے الزام گھڑنے والے تھے۔ یہ تو تاریخی روایات کے حوالے سے بات ہے، لیکن یزید کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں

کچھ مواد موجود ہے، اور صحیح روایتوں سے اس کے کردار کی خاصی تعیین ہوتی ہے۔ اس لئے تاریخ کی کتابوں کے بجائے حدیث کی کتابوں میں مذکور قابل قبول روایتوں پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔

کتبِ حدیث میں اس کے بارے میں واردروایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① ایک تو وہ ہیں جن کا تعلق یزید کے بارے میں اس کے عہد وزمانہ سے ہے۔

② دوسری وہ ہیں جن کا تعلق یزید کی طرف سے ظالم وجابر گورنروں کو مقرر کرنے سے ہے۔

ذیل میں ان دونوں قسم کی روایتوں کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

① یزید کے زمانے سے متعلق احادیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

حفظت عن رسول الله وعائين فأما أحدهما فبثثته وأما الآخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم

(بخاری: حدیث نمبر: ۱۲۰)

میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ظرف علم کے یاد کئے ہیں۔ (یعنی دو قسم کا علم حاصل کیا ہے) ان میں سے ایک قسم (جو عقائد اور دین کے حکام پر مشتمل ہے اس کی تو میں نشرو اشاعت کر چکا ہوں۔ رہا دوسرا علم (جو نالائق حکمرانوں کے ناموں

اور حالات پر مشتمل ہے) اگر میں اس کی نشر و اشاعت کروں تو (ان لوگوں کو اور ان کے متعلقین کو میری باتیں گوارا نہ ہوں گی اور وہ میرے سخت دشمن بن جائیں گے اور) میرا نرخرہ کاٹ دیا جائے گا۔ (چونکہ وہ صرف آئندہ کی خبریں ہیں اور دین کی تعلیم سے ان کا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اشاعت مجھ پر فرض نہیں ہے اس لئے میں ان کو ذکر نہیں کرتا)۔

البتہ اشارہ کنایہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کا کچھ ذکر بھی کیا ہے۔
مثلاً وہ یہ دعا مانگتے تھے:

اعوذ بالله من رأس الستين وأمارة الصبيان.
(فتح الباری:۱/۲۱۶)

میں اللہ تعالیٰ سے سن ساٹھ کے شروع ہونے (جب یزید کی حکومت قائم ہوئی) اور (بڑے صحابہ کے اعتبار سے بنو امیہ کے) لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں (جو یزید سے شروع ہوئی)۔

فائدہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوئی اور وہ یزید کے حکمران بننے سے ایک سال پہلے وفات پا گئے۔
ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے:

قالوا وما أمارة الصبيان؟ قال إن أطعتموهم هلكتم وإن عصيتموهم أهلكوكم

(مصنف ابن ابی شیبہ۔حدیث نمبر: ۳۷۲۲۷)

حاضرین نے پوچھا لونڈوں کی حکومت کا کیا معنی؟ فرمایا: (ان کی صفت یہ ہوگی کہ) اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو (جائز ناجائز احکام ماننے کی وجہ سے تمہارا دین برباد ہوا اور دین کے اعتبار سے) تم ہلاک ہوئے اور اگر تم نے ان کی (بات نہ مانی اور) نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کردیں گے (کہ یا تو جان سے ماردیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں گے یا تمہاری جان ومال دونوں تباہ کردیں گے)۔

عن سعيد بن عمرو قال كنت جالساً مع أبى هُريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة ومعنا مروان قال أبو هريرة سمعت الصادق المصدوق يقول :هلكة أمتي على يدي غلمة من قريش فقال مروان لعنة الله عليهم غلمة فقال أبو هريرة لو شئتُ أن أقول بني فلان وبني فلان فعلت۔ (بخاری: حدیث نمبر: ۳۶۰۵)

حضرت سعید بن عمرو کہتے ہیں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا میں نے صادق

ومصدوق ذات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کی (خاص بربادی و) تباہی (اور فساد) قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اس پر مروان کی زبان سے نکلا خدا کی ان پر لعنت ہو کیا آپ صرف لونڈے بتاتے ہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (مزید) کہا اگر میں بتانا چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔

یزید نے ظالم گورنروں کو مقرر کیا:

① مدینہ منورہ پر عمرو بن سعید کو گورنر مقرر کیا جس کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: کان متألهاً متکبراً (البدایہ: ۸/۱۱۹) ترجمہ: (یہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر سمجھنے والا بڑا ہی مغرور تھا)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے چونکہ یزید کی بیعت نہ کی تھی اور مکہ مکرمہ میں پناہ گزیں تھے اس لئے اس نے مدینہ منورہ آتے ہی ان کو گرفتار کرنے کے لیے حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کردی۔ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول تھے انہوں نے اس کو فہمائش کی:

عن أبی شریح أنه قال لعمرو بن سعید وهو یبعث البعوث إلی مکة ائذن لی یا أیها الأمیر أحدثک قولاً قام به رسول الله ﷺ الغد من یوم الفتح سمعته أذناي ووعاه قلبي وأبصرته عیناي حین تکلم به. حمدالله وأثنی علیه ثم قال إن مکة

حرمهاالله ولم يحرمهاالناس فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفک بها دماً ولا يعضد بهاشجرة فإ ن أحد ترخص لقتال رسو ل الله فيهافقولواإن الله قد أذن لرسوله ولم ياذن لكم وإنماأذن لي فيها ساعة من نهار ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس وليبلغ الشاهد الغائب فقيل لأبي شريح ما قال لک عمرو قال قال أنا أعلم بذلک منک يا أبا شريح إن الحرم لا يعيذ عاصياً ولا فاراً بدم ولافاراً بخربة.

(بخاری: حدیث: ۱۰۴)

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید کو جب کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مکہ معظمہ پر چڑھائی کے لیے فوجی دستے بھیج رہا تھا فرمایا: اے امیر! مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں آپ کے سامنے وہ حدیث بیان کروں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے ہو کر بیان فرمایا تھا۔ اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اس کو یاد رکھا اور جس وقت آپ اس کو بیان فرما رہے تھے میری دونوں آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) بنایا ہے لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا۔ لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ مکہ

مکرمہ میں کسی کا خون بہائے اور وہ وہاں کا کوئی درخت بھی نہ کاٹے۔ پھر اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے وہاں قتال کرنے کی وجہ اس بات کی رخصت چاہے تو اس کو بتادو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اسکی اجازت نہیں دی اور مجھے بھی دن کی ایک گھڑی کے لئے اجازت دی۔ پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی اور جو شخص یہاں حاضر ہے اس کو چاہیے کہ جو شخص غائب ہے اس تک یہ بات پہنچادے۔ اس پر ابو شریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو نے پھر آپ کو کیا جواب دیا۔ فرمایا اس نے کہا اے ابو شریح! میں اس بات کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں حرم (مکہ) نہ کسی عاصی (گناہگار) کو پناہ دیتا ہے (اس سے عمرو بن سعید کی مراد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے) اور نہ کسی ایسے شخص کو جو خون کرکے وہاں بھاگ جائے اور نہ اس شخص کو جو چوری کرکے وہاں فرار ہو جائے۔

فائدہ:

عمرو بن سعید کا یہ کہنا کہ میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت کو عاصی و نافرمان کہنا اس کی بڑی ڈھٹائی اور سرکشی تھی اور مکہ مکرمہ پر لشکر کشی ایک علیحدہ جرم۔

ا۔ کوفہ پر عبیداللہ بن زیاد کی تقرری اور اُس کے جرائم:

۱۔ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدتمیزی:

إن عائذبن عمروكان من أصحاب رسول الله ﷺ دخل على عبيدالله بن زياد فقال أي بني إني سمعت رسول الله ﷺ قال إن شر الرعاء الحطمة فإياك أن تكون منهم فقال له اجلس فإنما أنت من نخالة أصحاب محمد ﷺ فقال وهل كانت لهم نخالة إنما كانت النخالة بعدهم وفي غيرهم. (مسلم:حدیث:۱۸۳۰)

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے تھے، (ایک مرتبہ) عبید اللہ بن زیاد کے پاس آئے اور (نرمی سے سمجھانے کی خاطر) فرمایا بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے حکمرانوں میں سے سب سے براوہ ہے جو بے رحم ہو (اور لوگوں کو پیس ڈالے) تو تم اپنے آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے رہنا۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا (بڑے میاں) بیٹھ جاؤ تم تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی بھوسی ہو۔ یہ جواب سن کر حضرت عائذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا صحابہ میں بھی بھوسی تھی۔ بھوسی تو بعد میں آنے والوں میں اور ان میں ہے جو صحابی نہیں ہیں۔ (کیونکہ صحابہ تو سارے ہی خالص ہیں)

۲۔حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑانا:

عبد السلام بن ابو حازم ابو طالوت قال شهدت ابابرزة دخل على عبيد الله بن زياد ....قال فلما رآه عبيد الله، قال: ان محمد يكم هذا الدحداح ففهمها الشيخ فقال :ماكنت احسب اني ابقى في قوم يعيرونني بصحبة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال له عبيد الله إن صحبة محمد لك زين غير شين . (ابوداود:۴۷۵۱)

ابوطالوت عبدالسلام بن ابوحازم کہتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس (اس کے بلانے پر) تشریف لائے ۔جیسے ہی عبید اللہ کی نظر آپ پر پڑی کہنے لگا:(لو یہ) تمہارا محمدی ٹھگنا موٹا آ گیا۔ حضرت (ابو برزہ رضی اللہ عنہ)اس کی بات سمجھ گئے (اوراس کے ٹھگنا موٹا کہنے پر تو توجہ نہ کی البتہ اس نے محمدی کہہ کر جو آپ کا مذاق اڑایا اس پر آپ کو غصہ آ گیا، کیونکہ اس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کی اہانت نکلتی ہے۔چنانچہ)فرمایا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں ایسے لوگوں کے وجود میں آنے تک باقی رہوں گا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر عار دلائیں گے۔اب عبید اللہ نے (بات بدل کر) ان سے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تو آپ کے

لئے زینت ہے باعث عیب نہیں ہے۔

۳۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل اوران کی بے حرمتی:

عن انس بن مالك قال اتي عبيد الله بن زياد براس الحسين فجعل في طست فجعل ينكت (وفي رواية الترمذي فجعل يقول بقضيب في انفه)وقال في حسنه شيئاً(وفي لفظ التر مذي : ويقول:مارأيت مثل هذا حسناًلم يذ كر)فقال انس كان أشبههم برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم.

(بخاری:حدیث:۳۵۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس تھا اتنے میں)حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔وہ چھڑی سے اس کو چھیڑتا رہا (اور ناک میں چھڑی گھساتا رہا) اور اس نے آپ کے حسن کے بارے میں بدزبانی کی (یعنی یہ کہ میں نے تو ان کو ایسا حسین نہیں پایا پھر ان کے حسن کا کیوں چرچا ہے؟)اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

۴۔یزید کی حرمین پرلشکرکشی:

واقعہ حرہ:

مدینہ منورہ سے باہر مشرقی جانب جو پتھریلا علاقہ ہے جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام حرہ کہلاتا ہے۔اس مقام پر انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی جو جنگ حرہ کہلاتی ہے۔جنگ حرہ کا سبب یہ تھا کہ جب انصار مدینہ نے یزید کو بدکردار سمجھتے ہوئے اس کی بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک کثیر فوج کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر بھیجا کہ تین دن تک مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لیے حلال کر دینا۔اس مدت میں کسی کی جان و مال کو امان نہیں۔حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ثم وقعت الفتنة الثانية يعني الحرة فلم تبق من أصحاب الحديبية أحداً .

(بخاری: حدیث:۳۸۰۰)

پھر دوسرا فتنہ یعنی جنگ حرہ جب واقع ہوئی تو اس جنگ نے اصحاب بیعت رضوان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

فدخل مسلم بن عقبة المدينة وبها يقايا من الصحابة فأسرف في القتل . (طبرانی)

مسلم بن عقبہ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔اس نے نہایت بے دردی سے ان کا قتل عام کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں قریش و انصار میں سے تین سو چھ معزز حضرات کے نام گنائے ہیں جن کو شامی فوج نے قتل کیا۔

سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے:

لما كان أيام الحرة لم يؤذن في مسجد النبي ﷺ ثلاثاً ولم يقم ولم يبرح سعيد بن المسيب من المسجد وكان لا يعرف وقت الصلوٰة إلا بهمهمة يسمعها من قبر النبي ﷺ.

جنگ حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت ہوئی البتہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ (جو کہ بڑے تابعی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے انہوں) نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا (وہ وہیں چھپے رہے) اور وہ بھی نماز کا وقت صرف اس ہلکی سی آواز سے پہچانتے تھے جو نبی ﷺ کی قبر مبارک سے وہ سنا کرتے تھے۔ (سنن دارمی، حدیث: ۹۳)

۵۔ خانہ کعبہ پر گولہ باری:

مدینہ منورہ کے بعد یزید کے لشکر نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر حرم الٰہی کا محاصرہ کیا۔ سالار لشکر مسلم بن عقبہ تو رستے ہی میں مر گیا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی۔ منجنیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور چھت پر آگ لگ گئی۔

حاصل بحث:

صرف مذکورہ بالا وجوہات کی بنیاد پر ہی یزید کا فسق اور اس کی بدکرداری واضح ہے کیونکہ:

حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أراد أهل المدينة بسوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء. (مسلم: حدیث: ۳۴۲۷)

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلا کر رکھ دیں گے جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔

عن أبي هريرة قال نظر النبي صلی اللہ علیہ وسلم إلى علي والحسن والحسين وفاطمة فقال أنا حرب لمن حاربكم وسلم لمن سالمكم.

(مسند احمد: حدیث: ۹۶۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور حسن اور حسین اور فاطمہ کی طرف دیکھ کر فرمایا جو تم سے جنگ کرے ان سے میری جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے ان سے میری صلح ہے۔

یزید پر لعنت:

اب اس کے بعد جن حضرات کو اس بات کی تحقیق ہوئی کہ یزید ان برائیوں سے راضی اور خوش تھا اور ان کو جائز بلکہ اچھا سمجھتا تھا اور حرام کو جائز یا اچھا سمجھنا کفر ہے اور چونکہ وہ توبہ کے بغیر مرا ہے لہذا یہ حضرات اس کو کافر اور لعنت کا مستحق سمجھتے ہیں اور جن حضرات کے نزدیک اس کا کفر ثابت نہ ہوا وہ لوگ یزید کو فاسق تو کہتے ہیں

البتہ لعنت نہیں کرتے۔ احتیاط لعنت نہ کرنے میں ہے کیونکہ اگر لعنت جائز ہے تو لعنت نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ لعنت کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے۔

ایک اشکال:

ایک حدیث ہے:

قال النبی ﷺ أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم. (بخاری:۲۷۶۶)

نبی ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے سب سے پہلا لشکر جو مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا وہ مغفور یعنی بخشا ہوا ہوگا۔

یزید اس لشکر کا امیر تھا جس کے غازیوں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ یہ لوگ بلاد روم میں گھستے ہی چلے گئے یہاں تک کہ تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔ یزید جب اس لشکر کا امیر تھا اور اس حدیث کے مطابق بخشا ہوا تھا تو اس پر فسق یا کفر کا الزام عائد کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟۔

جواب:

① اس حدیث میں مذکور بشارت کا واقعی مصداق کون ہے اس کی قطعی تحقیق نہیں ہے کیونکہ حدیث میں مدینہ قیصر یعنی قیصر کے شہر کا ذکر ہے اور جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس زمانے میں قیصر کا دارالسلطنت شام کا شہر حمص تھا۔ اب یہ پختہ بات نہیں کہ مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ اور حمص میں سے کون سا مراد ہو۔

② اگر قسطنطنیہ ہی مراد ہوتو اس میں یہ احتمال ہے کہ یہاں مغفرت سے مراد صرف سابقہ گناہوں سے مغفرت ہو جیسا کہ عید کے اجتماع میں شریک ہونے والے روزہ داروں کے بارے میں حدیث میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ارجعوا قد غفرتُ لکم وبدلتُ سیئاتکم حسناتٍ قال فیرجعون مغفوراً لھم۔

(بیہقی۔حدیث:۳۷۱۷)

تم لوگ واپس لوٹو اس حال میں کہ میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ فرمایا کہ پھر لوگ بخشے بخشائے واپس گھروں کو لوٹتے ہیں۔

③ اور اگر مغفرت سے مغفرت اولی یعنی اول وہلہ میں جنت میں داخلہ مراد ہو تو جاننا چاہئے کہ اس صورت میں دو باتیں ضروری ہیں۔

⊙ ایسی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے کہ آدمی میں مغفرت کی اہلیت وصلاحیت مرتے دم تک باقی رہے کفر کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

⊙ اس کے معارض موجود نہ ہو جب کہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ستة لعنتُھم ولعنھم الله..... الزائد في کتاب الله والمکذب بقدر الله تعالیٰ والمتسلط بالجبروت فیعز بذلک من أذله الله ویذل من أعزه الله والمستحل لحرم الله والمستحل من عترتي ماحرم

الله والتارک لسنتي. (ترمذی۔حدیث:۲۱۵۴)

چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے۔ (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔ (۲) تقدیر الٰہی کی تکذیب کرنے والا (۳) جبر وزور سے تسلط حاصل کر کے جس کو اللہ نے ذلیل کیا اس کو اعزاز بخشنے والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرنے والا (۴) حرم الٰہی کی حرمت کو حلال سمجھنے (یعنی پامال کرنے) والا (۵) میری اولاد کی حرمت پامال کرنے والا (۶) میری سنت (اور میرے طریقوں) کو چھوڑنے والا۔

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه وأعدله عذاباً عظيماً. (سورہ نساء: آیت:۹۳)

اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے پڑا رہے گا اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

یزید میں ان میں سے کچھ باتیں تو یقیناً پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

① وہ دھونس، دباؤ اور جبر وزور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔

② مفسد اور شریر لوگ مثلاً عبید اللہ بن زیاد، عمرو بن سعید، مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر اس کے نزدیک معزز ومحترم تھے کہ ان کو اعلیٰ عہدے دیئے۔ اور یہ

لوگ ایسے تھے جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کا کچھ لحاظ نہ تھا۔ ان کا مذاق بنانا اور ان کی بات کو ڈھٹائی سے رد کرنا ان کے لئے آسان تھا۔ ظاہر ہے کہ یزید نے ایسے گورنروں کا انتخاب کیا تو خود اس کے بھی اندر بھی ظلم وتکبر ہوگا تب ہی تو اس نے ایسوں کو منتخب کیا۔ اور ان گورنروں نے آگے ایسے لوگوں کو کمانڈر بنایا جو سخت مزاج اور سخت گیر لوگ تھے اور ان کو اس کا کچھ لحاظ نہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ کی حرمت پامال کرر ہے ہیں، یا مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کا احترام تار تار کرر ہے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور ان کے ساتھ قافلہ میں شریک بچوں اور نہتوں کو بلا وجہ اور ظلم سے قتل کرر ہے ہیں اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی توہین کرر ہے ہیں۔

۳ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والے تھے مسلم بن عقبہ جو کہ یزید کا مقرر کردہ کمانڈر تھا جنگِ حرہ کے بعد اس نے ان لوگوں سے زبردستی یزید کے لیے اس شرط پر بیعت کرائی کہ وہ یزید کے غلام ہیں وہ چاہے ان کو فروخت کرے چاہے ان کو آزاد کرے اور وہ ان کے اموال کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔

۴ مدینہ منورہ میں سینکڑوں صحابہ وتابعین کو قتل کرایا جنگ میں بھی اور بعد میں گرفتار کر کے بھی اور غارتگری میں بھی یہ سب کچھ یزید کے کہنے پر ہوا۔

۵ مکہ مکرمہ پر حملہ اور خانہ کعبہ پر گولہ باری سب یزید ہی کے حکم سے ہوئی۔

ایسے ظالم لوگوں کو گورنر بنانا اور ان کے انتہائی ظلم وجور کو برداشت کرنا اور ان پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور حرمین کی حرمتوں کو پامال کرنے پر راضی رہنا بلکہ خود اس کی تلقین کرنا کیا اس کے بعد بھی یزید کے فاسق ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ اور کیا اسے ایسی بشارت کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے؟۔

غرض یزید اس بشارت کا مصداق نہیں بنتا اور اس کی بنیاد پر یزید کو نیک

وصالح سمجھنا یا اس کو امیر المؤمنین کہنا یا اس سے بھی بڑھ کر اس کو خلیفہ راشد سمجھنا، یہ سب غلط اور گمراہی کی باتیں اور اہلسنت کے مسلک کے خلاف ہیں۔

تنبیہ:

اگر کسی عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی فاسق کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر کے اس کو اول وہلہ میں جنت میں داخل کر دیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا کے اعتبار سے وہ فاسق نہ رہا مثلاً حدیث میں ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرمادی۔ کسی فاسق وبدکردار کی مکمل بخشش کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ وہ عورت نیک و پارسا بن گئی تھی۔ بخشش کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص اصلاح کر کے اپنے نیک اعمال کی بدولت ہی جنت میں جائے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بدکرداری میں مبتلا رہے اور اللہ تعالیٰ اس کو کسی عمل کی وجہ سے آخرت میں بالکل ہی معاف فرمادیں۔

آخری بات:

یہاں آخر میں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فسق یزید کے بارے میں تاریخ اور حدیث کی کتابوں سے دلائل کا ایک اچھا ذخیرہ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی یزید کی شخصیت، اہل سنت کی نظر میں نامی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ ہم نے مذکورہ بالا دلائل اس کے حدیث والے حصے سے اخذ کئے ہیں۔

جو کتاب اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کے مصنف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی دونوں طرح کی (یعنی حدیث اور تاریخ کی) روایتیں لی ہیں

اور اہل سنت کے اس مؤقف کو کہ یزید فاسق تھا ثابت کیا ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ بعض تاریخی روایتوں میں اعداد و شمار کے اعتبار سے مبالغہ تو ہوسکتا ہے، مثلاً یہ کہ واقعہ حرہ میں سات سو اشراف اور دس ہزار دیگر افراد قتل کیے گئے اور ایک ہزار عورتیں یزیدی فوجیوں کے زبردستی زنا سے حاملہ ہوئیں۔ لیکن یہ کہنا کہ کچھ ہوا ہی نہیں اور صرف ایک دو آدمی ہی قتل ہوئے یہ بھی انتہائی مبالغہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد خلیفہ بن خیاطؒ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں تین سو چھ افراد کے باقاعدہ نام ذکر کئے ہیں جو اشراف میں سے تھے اور یزیدی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ عوام کا تو کچھ ذکر ہی نہیں نہ جانے کتنے شہید ہوئے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین

عبدالواحد غفرلہٗ
یکم رشعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

عرضِ مترجم

مشہور ہے کہ رزق آدمی کو یوں ڈھونڈتا ہے جیسے موت اس کی تلاش میں رہتی ہے۔رزق سے مراد صرف ماکولات ومشروبات،اور مال ودولت نہیں، بلکہ اس میں انسان کی سعادت وخوش بختی کے مواقع اور ذرائع بھی ہیں۔اور وہ بھی انسان کو ڈھونڈتے رہتے بلکہ ڈھونڈ کر رہتے ہیں۔بلکہ بسا اوقات تو یوں معلوم پڑتا ہے کہ انسان کی حالت گویا یوں ہے:

اقوام یقادون الی الجنة بالسلاسل

ترجمہ: کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جنہیں بیڑیاں ڈال کر جنت میں لے جایا جائے گا۔

یعنی گویا سعادت اپنے زورِ بازو پر ان لوگوں کو خواہی نخواہی مل کر رہے گی۔ بیڑیاں ڈالا ہوا آدمی ظاہر ہے جا ہی کہاں سکتا ہے؟

یہ تمہید دراصل تعبیر وتصویر ہے اس حقیر سی کاوش کی، کہ لینے والے نے کام لے لیا ہے اور کام مکمل ہو گیا ہے۔یعنی بحمد اللہ! محدثِ جلیل مورخِ عظیم علامہ ابنِ جوزیؒ کے ایک "بقامت کہتر وبقیمت بہتر" کے مصداق رسالے کا ترجمہ مکمل ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔کام اگرچہ اپنے حجم کے اعتبار سے اتنا زیادہ نہ تھا لیکن کچھ عملی اور کچھ ذہنی مصروفیات یا طبعی کسل مندی کی وجہ سے تاخیر ہوئی، تاہم پھر بھی دس دن میں ترجمے کی تسوید سے بحمد اللہ فراغت حاصل ہو ہی گئی۔لیکن اس کے بعد کتابت، تصحیح، اور مقدمہ نگاری وغیرہ کے عوائق بات کو آج تک پہ لے آئے۔اب

ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ترجمے میں چند باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

- ترجمے میں کوشش رہی ہے کہ سلیس اور رواں ہو۔ اس سلسلے میں کچھ چیزوں کا تمہیداً یا تفریعاً اضافہ بھی ناگزیر تھا، چنانچہ کیا گیا، تاہم ایسے اضافوں کو متن سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن عبارت کے تسلسل کی وجہ سے خلل محسوس نہیں ہوتا، بلکہ اضافے اصل کتاب کا حصہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔
- اصل کتاب میں صرف فصول تھیں، عنوانات نہیں تھے، یہ اضافہ بھی ترجمے کا ہی حصہ ہے۔
- علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب میں اگر کوئی بات کسی کتاب سے نقل کی ہے تو اس کا حوالہ دیا ہے۔ اور اگر اپنے ذریعے اور روایت سے نقل کی ہے تو اس کی مکمل سند بیان کی ہے۔ لیکن اُردو قاری کی سہولت اور ضرورت کے پیش نظر اسناد کو ترجمے میں شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ تحقیق کے لیے اصل کتاب موجود ہے۔
- مصنف کا تعارف مختصر لکھنے کا ارادہ تھا لیکن بات سے بات نکلتی رہی اس لیے کام قدرے طول پکڑ گیا ہے۔ بے جا سمع خراشی پر پیشگی معذرت۔
- نفس مضمون سے اختلاف یا اس پر اشکال کی بات ہو تو اس کے تو خود مصنف ذمہ دار ہیں البتہ ترجمہ کرنے یا ان کی بات کو تعبیر کرنے کے حوالے سے کوئی سقم ہو تو اس پر پیشگی شکریے کے ساتھ تنبیہ کرنے اور توجہ دلانے کی التماس ہے۔
- کتاب کے مقدمے کی تیاری میں اصل کتاب کے محقق کی معلومات اور حوالہ جات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح دورانِ ترجمہ بھی حاشیے سے مدد لی گئی ہے۔ جسے نمایاں کر دیا گیا ہے۔

حضرت الاستاذ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(خلیفہ و مجاز حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ) کے حوالے سے قلب ودماغ جذباتِ تشکر سے اس قدر لبریز ہیں کہ جس کی تعبیر کو موزوں پیرایہ اظہار میسر نہیں ۔ حضرت نے غایتِ شفقت اور ذرہ نوازی سے کتاب کے اصل موضوعِ بحث سے متعلق اپنی مدلل رائے بطور مقدمہ مرحمت فرمائی۔(جزاہ اللہ عنا احسن ماجزی محسناً عن احسانہ)

آخر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی اخلاقی فرض بنتا ہے جن کی تحریک وتحریض یا علمی تعاون کسی بھی طور اس کاوش میں شریک رہا۔ خصوصاً حضرت شاہ صاحبؒ کے خادم خاص، خلیفہ مجاز اور ہمارے مخدوم جناب میاں رضوان نفیس صاحب مدظلہ، اور ہمارے دوست سیّد رضا علی جعفری صاحب ، مفتی عبدالرحمن نذر صاحب، مفتی ضیاء الرحمن صاحب اور مفتی طلحہ جواد صاحب وغیرہم۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس حقیری کاوش کو قبول فرما کر اسے راقم کے لیے ذخیرہ آخرت اور خاتمہ بالخیر کا ذریعہ بنائیں۔ آمین، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

شعیب احمد

جامعہ دار التقوی۔ چوبرجی پارک، لاہور

قریباً من نصف لیلۃ النصف من شعبان ۱۴۳۳ھ

کتاب کے موضوع اور مواد کے حوالے سے ایک بات ذہن نشین ہونا ضروری ہے اور وہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیت، کردار، اور ان سے تعلق رکھنے والے اس دور کے امور کے حوالے سے جو معلومات ہمارے تک پہنچی ہیں، وہ دو ذرائع پر مشتمل ہیں۔

(۱) حدیث کی روایات

(۲) تاریخ کی روایات

حدیث کی روایات میں، دینی تقاضا اور مذہبی ذمہ داری سمجھتے ہوئے، تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کا معیار بہت بلند رکھا گیا ہے۔ اسی لیے ان مسائل میں اس ذخیرے کو بنیادی اور اولیں درجے کی اہمیت حاصل ہے۔ اور اہل سنت کے اصولی عقائد اس باب میں اسی پر مبنی ہیں۔ اس ذخیرے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو تاثر سامنے آتا ہے اسے، یہ حضرات اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُم عُدُوْل (یعنی صحابہ تمام کے تمام راست باز، صاف گو، انصاف پرست، اور اُجلے کردار کے مالک تھے) کے ضابطے سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے متوازی دوسرا سلسلہ تاریخی روایات کا ہے، جس میں تحقیق و نقد کا وہ معیار نہیں۔ وہ ہر طرح کی مثبت و منفی باتوں پر مشتمل ہے، نہ ہی یہ حد تواتر کو پہنچتا ہے۔ اس کی اجمالی حیثیت وہی ہے جو اسرائیلیات کی ہے کہ "لا تُصدقوھم ولا تکذبوھم" چنانچہ ان روایات کو کسی نظریئے یا عقیدے کی بنیاد بننے میں

بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ اول الذکر علمی ذخیرے کے تابع رہیں گی۔ جہاں موافقت ہوگی اسے تائیدی درجے میں لے لیا جائے گا، اور جہاں ناقابل تطبیق تعارض پیدا ہوگا، وہاں ترجیح روایاتِ حدیث کو حاصل ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے سامنے کوئی بھی نظریہ اور تحقیقی رائے قائم کرنے کے لیے اصل چیز حدیثی ذخیرہ ہے۔ تاریخی مواد ضمنی اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی اہل سنت کا اصول اور اکابر کا طرز ہے۔ اور ہم بھی بحمد اللہ اسی اصول پر کاربند ہیں۔ اسی اصول کی روشنی میں زیرِ نظر کتاب کا تجزیہ یوں کیا جائے گا۔

کتاب کا اصل موضوع ہے یزید کی اہلیت اور اس کے مقام کو واضح کرنا۔

یزید کے بارے میں مذکورہ بالا تقسیم کی رو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ حدیثی ذخیرے کی رو سے ظالم اور فاسق حکمران تھا۔ (جس کی تفصیل مقدمہ میں مذکور ہے) اور تاریخی روایات بھی اس کی مؤید ہیں۔ اس بناء پر اہل سنت والجماعت یزید کو بالاتفاق ظالم اور فاسق سمجھتے ہیں۔

باقی کتاب میں نفسِ موضوع کے ضمن میں کچھ ایسی روایات بھی آئی ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہیں۔ یہ روایات خالصتاً تاریخی (اور اخبار آحاد) ہیں۔ جن کی حدیثی ذخیرے اور اس پر مبنی اہل سنت کے اصول کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں۔ لہٰذا ان روایات کو تاریخی حکایات ہی کا درجہ دینا چاہیے، کسی نظریے یا عقیدے کی ترجمانی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہمارے اکابر اہل سنت خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر خاندان ولی اللّٰہی سے ہوتے ہوئے علمائے دیوبند تک سب حضرات کا یہی نظریہ اور اصول ہے۔ اور اکابر کے طرز میں خیر ہے۔ اَلْبَرْکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ۔

کچھ دیر مصنف کے حضور

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ ان علماء اور اسلامی شخصیات میں سے ہیں جنہیں اپنے کارناموں کی بدولت اللہ رب العزت نے دوام بخشا ہے اور رہتی دنیا تک لوگ ان کی گوناگوں اور مقبول تصنیفات اور علمی تحقیقات سے مستفید ہوتے اور ان کو خراج عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔ علامہ ابن جوزی نہ صرف اپنے دور بلکہ پوری اسلامی تاریخ کے بے مثال، اور زبردست جادوئی تاثیر کے حامل واعظ، فی البدیہہ خطیب، وسیع النظر عالم، بلند پایہ محدث، عظیم مفسر، فقیہ اور ادبی شخصیت کے حامل تھے۔ علامہ کے حالات وکمالات پر کچھ لکھنا یا ان کے مناقب اور ان کا علمی پایہ متعین کرنا ہمارے جیسوں کے لیے یوں ہی ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔ البتہ جو چیزیں پہلے حضرات نے لکھی ہیں ان کو ذرا سلیس انداز سے اردو کے قالب میں ڈھالنا ہمارا حق یا ہمارے بس میں ہے اس لیے اس پر اکتفاء کرتے ہیں۔ چنانچہ درج ذیل حالات پیش خدمت ہیں جو، طبقات ابن رجب، سیر اعلام النبلاء، اعلام زرکلی وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

نام ونسب:

آپ کا نام عبدالرحمن، کنیت ابوالفرج اور لقب جمال الدین ہے۔ یعنی دین کی رونق اور خوبصورتی۔ آپ واقعتاً دین کی رونق اور وقار تھے۔ چنانچہ آپ کا یہ لقب

محض رسمی لقب ہی نہیں بلکہ بجاطور پر حقیقت کی ترجمانی ہے۔ معلوم نہیں آپ کو یہ لقب کس نے دیا، تاہم جس نے بھی دیا برمحل دیا۔ آپ کی شخصیت، آپ کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کارناموں سے یقیناً دین کا بول بالا اور سنت کا جھنڈا بلند ہوا۔

آپ صدیقی النسب ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول، یار غار رسول، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک یوں پہنچتا ہے:

عبدالرحمن بن ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن عبیداللہ بن عبداللہ بن حمادی بن احمد بن محمد بن جعفر (الجوزی) بن عبداللہ بن قاسم بن نصر بن قاسم بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن قاسم (فقیہ از فقہائے سبعہ) بن محمد بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

نسبت:

آپ کی نسبتیں متعدد ہیں، جیسے قریشی، تیمی بکری، بغدادی، اور حنبلی۔ ان میں سے پہلی تین نسبتیں تو خاندانی ہیں، اور بعد کی نسبتوں میں سے بغدادی اس وجہ سے ہے کہ آپ اپنے دور کے جنت نظیر شہر بغداد کے باشندے ہیں، اور حنبلی اس وجہ سے ہے کہ آپ کا فقہی مذہب اور مسلک امام احمد بن حنبلؒ والا تھا۔ ان نسبتوں کے علاوہ بلکہ آپ کے نام، کنیت اور لقب سے بھی بڑھ کر جو تعارف آپ کی پہچان بنا وہ ابن الجوزی ہے۔ یہ لفظ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کی شخصیت کا عنوان بن گیا۔

ابن الجوزی سے آپ کی شہرت کی وجہ کیا بنی؟ اس بارے میں تذکرہ نگار اس حد تک تو متفق اللسان ہیں کہ جوزی کا لفظ آپ کے سلسلہ نسب میں دسویں پشت پر موجود جد امجد جعفر کے نام کا حصہ تھا، اور آپ انہی کی وجہ سے ابن الجوزی ہیں۔ لیکن یہ کہ خود ان کے نام کا یہ لفظ کیسے حصہ بنا؟ اس بارے میں اختلاف ہے:

- بعض کہتے ہیں کہ بصرہ میں ایک جگہ تھی جہاں نہر کے پانی کا دہانہ تھا اس وجہ اس علاقے کو جوزہ کہتے تھے۔ اور آپ اس کی طرف منسوب تھے۔
- علامہ منذری کے بقول فرضۃ الجوز ایک جگہ کا نام ہے اور اسی کی نسبت سے آپ جوزی ہیں۔
- شیخ عبدالصمد بن ابوالجیش کہتے ہیں: بصرہ میں ایک محلہ تھا جو محلہ الجوز کے نام سے معروف تھا۔ اس کی نسبت وجہ شہرت بنی۔
- کچھ اور حضرات کا خیال یہ ہے کہ جب یہ لوگ واسط میں رہتے تھے تو ان کے گھر میں اخروٹ (جس کو عربی میں جوز کہتے ہیں اس) کا درخت تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ پورے علاقے میں یہ درخت کہیں نہیں تھا، چنانچہ اچنبھا ہونے کی وجہ سے مشہور ہوگیا۔ اور آپ کی نسبت میں اسی شہرت کا دخل ہے۔

یہ ہیں آراء۔ لیکن ان آراء میں باہم بہت زیادہ تفاوت ہے، دوسری طرف ہمارے لئے معلومات کے ذرائع مفقود ہیں اس لیے ان میں باہم نہ تو تطبیق کی صورت پیدا کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی ایک کی تغلیط اور دوسرے کی تصحیح کا دعوی۔ واللہ اعلم بالصواب.

تاریخ پیدائش:

اگر زمانے کو یہ معلوم ہو کہ پیدا ہونے والا کوئی بچہ کل کو معاشرے کے لئے کتنا اہم اور صاحب مقام ثابت ہوسکتا ہے، تب تو اس کے پیدائشی حالات اور واقعات کو ضبط کے ساتھ محفوظ رکھنے کا بھی اہتمام ہو۔ مگر پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں کیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ستارہ اقبال کس کس بام عروج کو چھوئے گا، اور

رفعت وعلومنزلت کے کون کون سے مقام طے کرے گا یہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا اس لئے اسے جغرافیائی اعتبار عالمی اور زمانے کے اعتبار سے تاریخی سطح کا المیہ سمجھئے کہ بڑے بڑے لوگوں کے حالات پڑھتے ہوئے عموماً آپ کو یہ جملہ پڑھنا یا سننا پڑتا ہے کہ:

''تاریخ پیدائش ضبط کے ساتھ معلوم نہ ہوسکی''

کچھ قیاسات اور تخمینے ہوتے ہیں، جن سے دنوں، ہفتوں یا مہینوں کی تعیین تو پھر بھی نہیں البتہ سال کی اکثر وبیشتر تحدید ہوجاتی ہے۔ ورنہ بعض اوقات سال بھی مجہول ہی رہ جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں تین، چار، پانچ سال کے تفاوت کا در آنا معمولی بات ہے۔ علامہ ابن جوزی بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں اور بقول تذکرہ نگاراں:

آپ کے سن پیدائش میں بھی اختلاف ہے، بعض کا قول ۵۰۸ھ کا ہے، اور بعض کا ۵۰۹ھ، اور بعض کا ۵۱۰ھ ہے۔

یہ سارے تخمینے اور قیاسات ہیں، حقیقت معلوم نہیں، اور معلوم ہوتی بھی کیسے جب خود علامہ کو اپنی تاریخ پیدائش بالتعیین معلوم نہیں۔ فرماتے ہیں:

مجھے اپنی پیدائش کا سن ٹھیک سے معلوم نہیں۔ بس اتنا معلوم ہے کہ والد صاحب کا انتقال ۵۱۴ھ کو ہوا تھا، اور والدہ کے بقول اس وقت میری عمر تقریباً تین برس تھی۔

اس بناء پر آپ کا سن پیدائش ۵۱۱ھ یا ۵۱۲ھ بنتا ہے۔ اس کی تائید علامہ کے ایک اور بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔ جب میرے استاذ ابن زاغونی کا انتقال ہوا میں اس سال سن بلوغت کو پہنچا تھا۔ ابن زاغونی کا انتقال سن ۵۲۸ھ کا ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی پیدائش دس کے خاصی بعد قرار پائے گی۔ اس

کے علاوہ ایک اور کتاب میں مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے ۵۲۸ھ میں کتاب لکھی۔ اس وقت میری عمر سترہ سال تھی۔ اس لحاظ بھی آپ کا سن ولادت ۵۱۱ھ ہی قرار پاتا ہے۔

یہ سارے احتمالات اور قیل وقال صرف اس وجہ سے ہے کہ ہمیں سن پیدائش معلوم نہیں۔ یہ سچ ہے کہ قیل وقال وہیں ہوتی ہے جہاں صحیح علم نہ ہو۔ اور ایسی باتوں میں قیل وقال اور بحث وجدال کے بعد بھی صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں۔ البتہ ایسی صورت حال میں علمی دستر خوان کی چٹنی کا سامان خاصا فراہم ہوجاتا ہے۔ بہرحال! اتنا کچھ کرنے کے باوجود بھی ہم وہی بات کر سکتے ہیں جو علامہ نے خود کہی ہے:

لااحقق مولدی
کہ مجھے اپنا سن ولادت تحقیقی طور سے معلوم نہیں

ہاں تخمینہ ہے البتہ تخمینے میں اقرب ۵۱۰ھ اور ۵۱۱ھ ہے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

علامہ ابن جوزی سن ۵۱۰ یا گیارہ ہجری کو بغداد کے محلے درب حبیب میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم:

آپ کے والد بلکہ آپ کا پورا خاندان تانبے کی تجارت کرتا تھا، اسی وجہ سے آپ کو شروع شروع میں صفار (تانبے والا) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، اور آپ کی بعض ابتدائی سندوں میں آپ کے نام کے ساتھ یہی لفظ لکھا ہوا ہے۔

بہر حال اس تجارت کی وجہ سے آپ کو خاصی فراخی اور معاشی فارغ البالی حاصل تھی۔ آپ کی یہ فراخی خوش نتیجہ رہی اور تحصیل علم میں آپ کی ممد و معاون ثابت ہوئی۔ فقر وفاقہ اور ''چه خورد بامداد فرزندم'' کے سوال کے ہتھوڑوں کے نیچے بہت سے عمدہ دماغ اور اعلیٰ صلاحیتیں پس کر جو ضائع ہو جاتی ہیں، آپ اس آفت سے محفوظ رہے۔ آپ کے والد کا جیسا کہ پہلے گذرا آپ کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس مرحلے پر آپ کی والدہ اور پھوپھی نے آپ کی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ انہوں نے آپ کو اپنے دور کے مشہور عالم استاذ ابوالفضل بن ناصر کے گویا حوالے کر دیا۔ ابوالفضل اپنی مسجد میں اپنا حلقہ درس قائم کئے ہوئے تھے۔ استاذ نے بھی جوہر شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کی تعلیم پر خوب توجہ دی۔ پہلے خود اپنے پاس پڑھایا اور پھر جب آپ کا اشہب طلب مزید علم کا خواہاں ہوا تو خود استاذ صاحب آپ کو بغداد بھر کے اہل فضل و کمال کی مجالس میں اس صغرسنی میں لے گئے۔ مصنف اپنے ایک مشیخہ ① (استاذ نامہ) میں لکھتے ہیں:

حملنی شیخنا ابن ناصر الی الاشیاخ فی الصغر
واسمعنی العوالی واثبت سماعاتی کلھا بخطه
واخذلی اجازات منھم.

① مشیخہ ایک نوع تالیف ہے، جس کو اردو میں استاذ بیتی یا استاذ نامہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کا تذکرہ عام طور سے محدثین کے ہاں ہی ملتا ہے۔ اس میں محدثین اپنے تمام اساتذہ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ میں نے کس استاذ سے پڑھا کہاں پڑھا اور کیا پڑھا۔ اپنے اساتذہ کے حالات مزاج افکار ونظریات کے ساتھ ساتھ ان سے سنی ہوئی روایات بھی اکثر و بیشتر اس تالیف کا حصہ ہوتے ہیں۔ (ش۔ا)

ترجمہ: میرے استاذ ابوالفضل بن ناصر مجھے بچپن میں ہی بہت سے مشائخ اور اساتذہ کے پاس لے گئے، اور مجھے عالی سند روایات واحادیث سنوائیں، اور میری تمام مسموعات کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور میرے لئے ان مشائخ سے اجازت حدیث حاصل کی۔

یہ عبارت استاذ کی جوہر شناسی، استاذ وشاگرد کے باہمی تعلق، اور علم کی حرص اور طلب کی بہترین مثال ہے۔

آپ کی اس تعلیم کی ابتداء کب ہوئی؟ ابن رجب لکھتے ہیں:

ان اول سماعاته سنة ست عشرة وخمس مأة

آپ کی تحصیل علم (حدیث) کی ابتداء سن ۵۱۶ھ کو ہوئی۔

اس وقت تاریخ پیدائش کے اعتبار سے آپکی عمر زیادہ سے زیادہ آٹھ سال ورنہ پانچ سال تھی۔ علامہ نے بچپن میں ہی قرآن پاک بھی حفظ کرلیا تھا، لیکن کب کیا؟ اور کس استاذ سے کیا اس کا ذکر نہیں۔ البتہ اتنا ضرور لکھا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے قراء کے پاس آپ نے قرآن پڑھا۔ ان قراء کے پاس آپ نے قرأت نہیں پڑھی تھی۔ کیونکہ وہ آپ نے اخیر عمر میں اپنے بیٹے کے ہمراہ واسط میں ابن باقلانی کے پاس پڑھی تھیں۔ ظاہر یہی ہے کہ ان اساتذہ سے آپ نے حفظ قران کے علاوہ تجوید، تصحیح مخارج اور ادائیگی کے حوالے سے استفادہ کیا ہوگا۔

مقدار سے معیار تک:

استاذ ابوالفضل ابن ناصر کا یہ احسان اپنی جگہ کہ انہوں نے علامہ کو بچپن ہی

میں بغداد کی علم نگری کا تعارف کروادیا، اور ایک ایک قابل ذکر اور مشہور استاذ کے سامنے انہیں زانوئے تلمذ تہہ کرایا۔ اس علمی سیاحت نے علامہ کو پیش آمدہ زندگی میں وسعت تجربات کے حوالے کیا کچھ فائدہ نہ پہنچایا ہوگا۔ اس سب کچھ کے باوجود علامہ کو اس طرز تحصیل سے اطمینان نہ ہوا اور انہوں نے اسے محض استاذ گنتی قرار دیتے ہوئے اپنا بعد کا طرز طلب و تحصیل کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ بچپن میں تو مجھے استاذ صاحب جیسے جیسے اور جہاں جہاں لئے پھرے میں مردہ بدست زندہ بن کر جاتا رہا اور ہر کس و ناکس کے پاس جاتا اور اونچی نیچی سب دوکانوں کے پکوان چکھتا رہا، مگر:

فلما فهمت الطلب كنت الازم من الشيوخ اعلمهم واوثر من ارباب النقل افهمهم فكانت همتي تجويد العِدَ د لاتكثير العَدَ د

یعنی جب مجھے طلب علم کی حقیقت معلوم ہوئی، اور مجھے یہ پتہ چلا کہ کیا سیکھنا چاہیے اور کیا نہیں، اور یہ کہ کس سے سیکھنا چاہیے اور کس سے نہیں، تو پھر میں نے اپنی روش پر نظر ثانی کی۔ اب میں نے ابنائے زمانہ کے برعکس اپنا اصول اور طرز یہ بنالیا کہ مشائخ حدیث کے بازار میں ہر صاحب جبہ و دستار کے پاس نہیں جاتا تھا بلکہ دیکھتا تھا کہ علم کس کے پاس زیادہ ہے۔ اور ارباب نقل و مذہب میں سے ہر دعویدار کے جوتے سیدھے نہیں کرتا تھا، بلکہ جانچتا تھا کہ ان صاحب کے پاس فہم و دانش بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اب میرا اصول یہ ہو گیا ہے کہ:

''تھوڑا کرو اور اچھا کرو''

یعنی دوسرے لفظوں میں اب میں مقدار کے بڑھانے اور زیادہ کرنے کے فکر اور اس خبط سے آزاد ہو گیا ہوں کہ میں گنواؤں کہ میرے اتنے سو شیوخ اور اتنے ہزار اساتذہ ہیں۔ بلکہ اب مجھے معیار کی فکر ہے کہ میرے اساتذہ چاہے تھوڑے ہوں لیکن ہوں یگانہء روزگار۔ اور انہیں اپنے متعلقہ فن اور علم پر مکمل عبور ہو۔

علامہ کی یہ فکری تبدیلی کس دور کی ہے؟ بالتعیین معلوم نہیں۔ البتہ اندازہ یہ ہے کہ اس وقت علامہ بہت بڑے نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ بچپن کی نہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ بات لڑکپن کی ہو سکتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس بے ہنگم سماع و تحصیل کا زمانہ تو یقینی طور سے بچپن کا ہے۔ دوسری طرف ہمیں یہ ملتا ہے کہ آپ نے پہلی تصنیف تیرہ برس کی عمر میں کی۔ مذکورہ بالا اصولی فیصلے کے لیے جتنی سمجھ بوجھ چاہیے، باقاعدہ تصنیف کرنے والے آدمی میں وہ یقیناً موجود ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سترہ سال کی عمر میں بھی آپ کی ایک تصنیف کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کو زمانے کی تحدید میں ہم معاون نہیں بنا سکتے کیونکہ وہ تصنیف اس زمانے کی ہے جس میں علامہ اپنے من پسند اور معیار پر پورا اترنے والے استاذ ابن زاغونی کی خدمت میں نہ صرف پہنچ چکے تھے بلکہ ایک طویل عرصہ صحبت کا بھی گذار چکے تھے۔ کیونکہ اس تصنیف کے ساتھ علامہ کی جو یادیں وابستہ ہیں ان میں سے ایک یاد یہ بھی ہے کہ اس سال استاذ ابن زاغونی کا انتقال ہوا تھا، اور اسی سال علامہ نے بچپن اور لڑکپن سے نکل کر بلوغت اور رجولیت کی حد میں قدم رکھا تھا، اور اسی سال آپ نے تدریس اور افادے کا سلسلہ شروع فرمایا تھا۔ بہر حال اس وقت آپ کا سن و سال تیرہ ہو یا اس سے کچھ کم زیادہ، اتنا تو طے ہو جاتا ہے کہ بلوغت سے قبل آپ عقلی و نظری طور سے بالغ ہو چکے تھے، اور آپ نے اپنی تحصیل کی نسبت، معیار کو مقدار پہ ترجیح دینے والا یہ قدم اٹھا لیا تھا۔

اساتذہ کرام:

آپ کی معیاری چھلنی سے جو اساتذہ کرام گذرے ان میں سے چند مشہور کے نام یہ ہیں۔

(۱) ابوالقاسم الہروی۔۔ان کے پاس ابن ناصر آپ کو لے گئے تھے۔آپ نے ان سے وعظ کا فن سیکھا۔

(۲) ابوالحسن ابن زاغونی۔۔یہ آپ کے بڑے اور خصوصی اساتذہ میں سے ہیں جن کی خدمت میں آپ نے خاصا عرصہ گذارا۔ان سے آپ نے وعظ اور فقہ کا علم حاصل کیا۔

(۳) ابوبکر دینوری۔

(۴) قاضی ابویعلی صغیر۔

(۵) ابوحکیم نہروانی۔

ان تینوں حضرات سے آپ نے ابن زاغونی کی وفات کے بعد علم فقہ، علم مناظرہ، علم خلاف، اور اصول فقہ جیسے علوم حاصل کئے۔

(۶) ابویعلی بن فراء۔۔ان سے آپ نے علم فقہ حاصل کیا۔

(۷) ابومنصور الجوالیقی۔۔ان سے آپ نے فنون ادبیہ، جیسے لغت، شعر، عروض، بلاغت، عربیت وغیرہ حاصل کیے۔

ان کے علاوہ ماضی قریب کے مشہور اور جامع العلوم والفنون عالم ابوالوفاء علی بن عقیل کی کتب سے بھی آپ نے بہت کچھ حاصل کیا۔ان سے آپ نے عقلیات کی تکمیل کی۔مذکورہ بالا اساتذہ کے علاوہ ستر کے قریب دیگر اساتذہ سے بھی آپ نے کچھ دیگر علوم وفنون اور خاص طور سے حدیث کا سماع کیا۔مثلاً، ابن حصین، قاضی ابوبکر

انصاری، ابوبکر مرزفی، ابوالسعادات متوکلی، اور ابو غالب ماوردی وغیرہ۔ رحمہم اللہ

فراغت اور افادہ خلق:

بالتعیین تو ذکر نہیں کہ آپ نے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت کب حاصل کی۔ البتہ آپ کے تذکروں میں اتنا ملتا ہے کہ جب آپ کے استاذ ابوالحسن ابن زاغونی کی وفات ہوئی تو ان کی مسند درس کو سنبھالنے کے لئے آپ نے اپنے آپ کو پیش کیا مگر آپ کی کم عمری کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا، اور آپ کی بجائے یہ حلقہ درس ابو علی رازانی کے حوالے کردیا گیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ آپ اس وقت نوعمر تھے اور اس وقت آپ کی عمر بقول اپنے زیادہ سے زیادہ سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔ پیچھے اشارۃً آچکا ہے کہ آپ نے اسی دور میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کو آپ کے استاذ ابن زاغونی نے بنظر استحسان دیکھا تھا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ میں اتنے بڑے حلقہ درس کو سنبھالنے کے لیے سوائے کم عمری کے اور کوئی کمی نہیں تھی۔ چونکہ یہ سارے واقعات سن ۵۲۸ھ کے ہیں اس لیے ہم آپ کی فرغت کے سن کا تخمینی اندازہ قائم کرسکتے ہیں۔ آپ کی تحصیل کی ابتداء سن ۵۱۶ھ کی ہے۔ اور وہاں سے ۵۲۸ھ تک ۱۲ سال بنتے ہیں، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ کے تحصیل علم کے دور کی انتہاء سن ۵۲۸ھ کو ہوئی۔ (۱)

---

(۱) بغداد جیسے علمی گرم بازاری والے شہر میں جب علامہ ابن جوزیؒ جیسے آدمی کو مروجہ علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل میں بارہ سال کا عرصہ لگا، ایسے میں آج کل کے ماحول میں آٹھ سال بلکہ اس سے بھی کم عرصے میں دستار فضیلت اور مسند علم کے جائز استحقاق کا دعوی کیسے کیا جاسکتا ہے۔؟ اور ٹھوس علمی استعداد کے ضامن نصاب میں آئے روز تبدیلی کرنے اور اسے مختصر سے مختصر کرنے کا خیال نہ جانے کس بنیاد پر قائم ہے۔؟ فالی اللہ المشتکی

الغرض اپنے استاذ ابن زاغونی کا حلقہ درس تو نہ ملا لیکن وزیر نے آپ کی لاحیتوں سے متاثر ہوکر آپ کو جامع منصور میں اپنا حلقہ قائم کرنے کی اجازت دیدی، اورآپ نے وہاں حلقہ قائم کرلیا۔علم کا وفور، ادبی چاشنی، وعظ کا سلیقہ، اورافہام وتفہیم کا ملکہ وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کے حلقے میں کھچے آنے لگے اور آس پاس کے حلقہائے درس کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔خود ابوعلی رازانی کی مجلس کی رونق بھی ماند پڑگئی۔اور آپ کے گھاٹ پر جویان علم کا جمگھٹا ہونے لگا۔

عملی زندگی کے دو پہلو:

یہاں سے علامہ ابن جوزی عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں، اورآپ کا رخ خلق خدا کے افادے کی طرف ہوتا ہے۔پھرآپ نے قریب قریب ۶۵ سے ۷۰ سال کا طویل عرصہ اسی کام میں گذارا، اور اس کام کے لئے گویا اپنے آپ کو وقف کردیا۔افاداتی کہیں، عملی کہیں، تبلیغی کہیں، یا دعوتی واصلاحی، بہرحال آپ کے اس دور کو دو نمایاں حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) زمان ومکان کے اعتبار سے لامحدود اور ابدی دور افادہ۔۔۔یعنی تصنیفی پہلو

(۲) زمان ومکان کے اعتبار سے محدود۔۔۔یعنی واعظانہ پہلو

ذیل میں ان دونوں سے متعلق کچھ تفصیل پیش خدمت ہے۔

وعظ ونصیحت:

علامہ ابن جوزی کی زندگی کا یہ وہ پہلو ہے جو آپ کی نہ صرف شہرت بلکہ آپ کی پہچان بن گیا۔آپ کو اس میدان میں وہ کامیابی شہرت اور مقبولیت حاصل

ہوئی جو نہ صرف اس زمانے میں بلکہ پوری اسلامی تاریخ میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔آپ کی اس خوبی کا اعتراف ہر اپنے پرائے نے کیا ہے۔علامہ کا وعظ ہر طرح کی باطنی خوبیوں اور لوازم کے ساتھ ساتھ ظاہری محاسن اور تقاضوں سے بھی بھر پور ہوتا تھا۔اس باب میں فنی لحاظ سے بھی آپ کو ید طولی حاصل تھا۔وعظ وخطابت میں اپنی کمال مہارت کو تحدیث بالنعمہ کے طور پر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولقد اقدر علی ان ارتجل المجلس کله من غیر ذ کر محفوظ.

ترجمہ: میں (بحمد اللہ) یہ صلاحیت بھی رکھتا ہوں کہ پوری پوری مجلس وعظ بغیر کسی سابقہ تیاری ،اور کچھ پہلے سے ذہن میں لائے بغیر بیان کردوں۔

بلکہ یہ تو ایک مجلس کا قصہ ہے اس سے آگے لکھتے ہیں:

وربما قرءت عندی فی المجلس خمس عشرة آیة فاتی علی کل آیة بخطبة تناسبها فی الحال.

ترجمہ: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میری مجلس میں مختلف موضوعات کی پندرہ آیات پڑھی گئیں، لیکن میں نے اسی وقت اسی جگہ ہر آیت کے مناسب تقریر اور بیان کیا۔

آپ مجالس وعظ میں زریں جملے، ادبی قطعات اور اشعار بے تکان پڑھتے جاتے تھے، اشعار میں تو آپ کو فی البدیہہ کہنے کا بھی ملکہ حاصل تھا۔آپ کے اشعار کو جب جمع کیا گیا تو وہ دس کے قریب ضخیم اجزاء میں سمائے۔

ابن رجب آپ کے وعظ کی تاثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

آپ کی مجالس وعظ میں وہ تاثیر اور قوت ہوتی تھی کہ شاید و باید۔ اس سے قبل کسی کے سننے میں ایسا وعظ نہیں آیا۔ آپ کے وعظ سے غفلت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے ہوش میں آتے، اور ناواقف و بے علم لوگ اپنا دامن طلب علم و معرفت سے بھر بھر کر لے جاتے، گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے گناہوں سے توبہ کرتے اور کافر و مشرک آپ کا وعظ سن کر مسلمان ہوتے۔

ناصح الدین ابن حنبلی لکھتے ہیں:

> آپ کی مجالس وعظ میں جلال و کمال نمایاں ہوتا تھا۔ بغداد بھر کے اچھے اچھے لوگ مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ گفتگو عام فہم لیکن سجع کی لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں جیسے الفاظ پر مشتمل ہوتی تھی۔ دلسوز انداز سے تلاوت قرآن، خوش کن آوازیں، وجد و تواجد بھری سسکیاں، خشیت والوں کے آنسو، انابت والوں کا رجوع و زاری، توبہ کرنے والوں کی عاجزی و گڑگڑاہٹ، اور لحہ لحہ رحمت خداوندی کا آنکھوں دیکھا مشاہدہ اور ظہور۔ یہ سب کچھ آپ کی مجلس وعظ کا حصہ ہوتا تھا۔

مجالس وعظ کے شرکاء:

آپ کی مجالس وعظ میں شرکاء کی تعداد کے حوالے سے یہ روایات ہیں کہ ایک ایک مجلس میں لاکھ کے لگ بھگ آدمی شریک ہوتے تھے [۱]۔ ان روایات میں

---

(۱) علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس تعداد کو یہ کہہ کر مشکوک اور مبنی بر مبالغہ قرار دیا ہے کہ اول تو اتنے لوگوں کا جمع ہونا مشکل ہے کونسی جگہ میں اتنے لوگ سما سکتے ہیں؟ پھر اگر جمع ہوں بھی تو ان تک آواز کا پہنچنا بجائے خود ایک بنیادی سوال ہے۔

عدد و تعداد کے اندازے تقریبی یا تخمینی ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ مبالغے کا شکار بھی ہوں، تب بھی اتنی ساری روایات کے قدر مشترک کے طور پر اتنی بات تو ثابت ہوتی ہے، کہ ان مجالس میں مجمع اتنا زیادہ ہوتا تھا جو عام حالات میں اکٹھا نہیں ہوتا تھا، اور اس کی کثرت کی وجہ سے اس کی تعداد پر لاکھ تک پہنچنے کا گمان گذرتا تھا۔ اگر وہ لاکھوں میں نہیں تھا تو نہ ہو، ہزاروں کی تعداد بہر حال ضرور ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے تو گلیاں کھچا کھچ بھر جاتیں، مسجد میں ایک ایک روز قبل ہی لوگ جگہ سنبھال لیتے، آس پاس کی دوکانوں اور ان کی چھتوں پر لوگ اچھے خاصے مہنگے داموں کرائے پر جگہ حاصل کرتے تھے۔

آپ کی مجالس کی مقبولیت اور عمومیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان مجالس میں نہ صرف اعیان شہر اور وزراء وغیرہ شریک ہوتے بلکہ خود خلیفۃ المسلمین امیر المومنین، عباسی خلیفہ بھی حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اس موقع پر آپ پیشہ ور واعظوں اور طالب دنیا لوگوں کی طرح خلیفہ کی خوشامد اور چاپلوسی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حسب اقتضاء خوب وعظ و نصیحت سے کام لیتے۔ ایک دفعہ آپ نے خلیفہ سے کہا:

> اگر میں (دوٹوک انداز میں) آپ کو نصیحت کرتا ہوں تو مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، اور اگر نہیں کرتا (اور گویا مداہنت سے کام لیتا ہوں) تو آپ کی عاقبت کا خوف دامن گیر ہے۔ لیکن میں اپنے انجام کی پرواہ کیے بغیر آپ کی عاقبت کو ترجیح دیتا ہوں، اور آپ کو (دوٹوک اور کڑوی کسیلی) نصیحت کرتا ہوں۔

ایک موقع پر آپ نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> اے خلیفہ: اس وقت دنیا میں آپ سے اوپر کوئی آدمی نہیں۔ اس لحاظ سے آپ پر جتنے انعامات خداوندی ہیں وہ کسی

اور پر نہیں۔ اب اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اللہ کا شکر بھی اتنا ہی بجالائیں کہ جتنا کوئی اور نہ کر سکے

خلیفہ پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا۔

علامہ ابن جوزی کی ان مجالس وعظ نے لوگوں پر کیفیت کے اعتبار سے کتنا اثر کیا؟ یہ تو معلوم ہونا مشکل تھا البتہ کمیت کے حوالے سے جو لوگ علم اور ریکارڈ میں آسکے ان کے بارے میں خود علامہ فرماتے ہیں:

میں ہمیشہ لوگوں کو وعظ کرتا رہا اور ان کو توبہ اور تقوی کی ترغیب دلاتا رہا، یہاں تک کہ میں نے کتاب میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کی فہرست جمع کرلی ۔ دس ہزار سے زیادہ لوگوں کی شرکیہ چوٹیاں کاٹیں، اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ (کتاب القصاص والمذکرین)

تلبیس ابلیس کے مقدمے میں عبدالحق اعظم گڑھی لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے اپنی مجالس وعظ میں بدعات ومنکرات کی کھل کر تردید کی، عقائد صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا اپنی بے مثل خطابت، زبردست علمیت، اور عام مقبولیت کی وجہ سے اہل بدعت کو ان کی تردید کا حوصلہ نہ رہا۔ سنت کو ان کے مواعظ ودروس سے بہت فروغ حاصل ہوا۔

علامہ ابن جوزی اور زہد و تصوف:

ایک طرف علامہ ابن جوزی کے وعظ کی یہ غیر معمولی اور جادوئی تاثیر کہ ہزار ہا لوگوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ رہی ہے، لاکھوں تائب ہو رہے ہیں، سینکڑوں

مشرف باسلام ہورہے ہیں، ایک طرف یہ سب اور دوسری طرف بعض اہل بصیرت کا یہ قول کہ:

جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ دینی میدان میں واقعی، موثر اور مقبول الآثار کام کررہا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اس کے کام میں برکت ہے، تو سمجھ لو کہ اس نے کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ اصول بھی سامنے رکھیں کہ حقیقی معنوں میں موثر وعظ کے لیے جہاں علم، خوش اسلوبی، اور عمدہ بیانی ضروری ہے، وہاں اپنا عمل اور خانہ دل کی آبادی بھی ضروری ہے۔ جب اس سب کچھ کے بعد علامہ کے وعظ پر نظر ڈالیں تو یہاں صورتحال یہ ہے کہ نتیجہ یعنی وعظ کی تاثیر تو موجود ہے، لیکن بیچ کے مقدمات اور کڑیوں میں سے وفور علمی، خوش اسلوبی اور عمدہ بیانی بھی نمایاں ہے مگر دیگر مقدمات سامنے نہیں۔ علامہ کے حالات پڑھتے ہوئے یہ سوال سامنے آیا لیکن بحمد اللہ ورق گردانی کرتے ہوئے جلد ہی یہ عقدہ بھی حل ہوگیا۔ اپنے عمل کے حوالے سے تو اگرچہ قرائن بھی خاصے مؤید تھے تاہم صریح عبارات بھی مل گئیں۔ سبط ابن الجوزی لکھتے ہیں:

واقع اللہ له فی القلوب القبول والھیبة وکان زاھداً فی الدنیا متقللاًمنھا

ترجمہ: علامہ ابن جوزی کی مقبولیت اور ہیبت اللہ نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ خود علامہ بھی دنیا کے زاہد اور تھوڑے پر گذارہ کرنے والے تھے۔

آگے لکھتے ہیں:

ما مازح قط ولا لعب مع صبی ولااکل من جھة

لایتیقن حلها

ترجمہ: آپ نے کبھی لغو مذاق نہیں کیا۔ اور بچپن میں بھی آپ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اور آپ نے کبھی ایسی چیز نہیں کھائی جس کے حلال ہونے کا یقین نہ ہو۔ یعنی مشکوک اور مشتبہ چیز کبھی نہیں کھائی۔

اپنی ذات اور عمل کی حد تک تو یہ بات درست تھی لیکن ابھی ایک اور کڑی اور اہم کڑی رہ رہی تھی۔ یعنی تزکیہ باطن، تصفیہ قلب، تنقیہ خاطر یا دوسرے لفظوں میں خانہ دل کی آبادی والی کڑی۔ لیکن وہ بھی انہی اوراق سے مل گئی۔ آپ کے شاگرد ابن النجار لکھتے ہیں:

وکان مع هذه الفضائل والعلوم الواسعة ذا اوراد وتاله وله نصيب من الاذواق الصحيحة وحظ من شرب حلاوة المناجاة وقد اشار هوالي ذلك ولاريب ان كلامه في الوعظ والمعارف ليس بكلام ناقل اجنبي مجرد عن الذوق بل كلام مشارك فيه.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی ان تمام فضائل و مناقب اور وسعت علمی کے ساتھ ساتھ اوراد و اشغال اور اللہ اللہ بھی کرنے والے تھے۔ انہیں ذوق صحیح اور مناجات خداوندی کا وافر حصہ عطا ہوا تھا۔ آپ نے خود اس بات کو اشارۃ ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے وعظ سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ علوم و معارف کے

حوالے سے یہ کسی ایسے شخص کا کلام نہیں، جو اصل حقیقت سے نا آشنا اور محض اجنبی ناقل ہو۔ بلکہ آپ کا کلام ایسے ہوتا تھا جیسے متکلم خود حقائق و معارف کے اس دریا کا غوطہ زن ہو۔

اس عبارت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ علامہ کا دل خانہ خالی اور صرف ظاہری قیل وقال کا مسکن نہ تھا بلکہ ذوق و وجد بھی راہ پائے ہوئے تھے۔لیکن یہاں تک رسائی کیسے ہوئی؟ یہ سوال ابھی تشنہ جواب ہے۔ کچھ اشارہ تو اوراد واشغال اور اللہ اللہ سے مل گیا، مزید کچھ اس عبارت میں دیکھیے:

وذكر ابن القادسى فى تاريخه ان الشيخ كان يقوم الليل ويصوم النهار وله معاملات،ويزور الصالحين اذا جن الليل ولا يكاد يفتر اذ اجن الليل ،ولايكاد يفتر عن ذكر الله.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی رات قیام ونوافل میں گذارتے اور دن کو روزہ رکھتے۔آپ کے ہاں احوال وکیفیات بھی تھیں۔آپ رات کے اندھیرے میں نیک لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ رات کو بے کار نہیں گذارتے تھے، بلکہ آپ نے ہمیشہ اپنے فارغ وقت کو ذکر اللہ کی مصروفیت سے قیمتی بنائے رکھا۔

اس عبارت میں صرف اتنا ذکر ہے کہ آپ بزرگوں کی زیارت کرتے تھے لیکن یہ کون لوگ تھے اور کتنے تھے یہ مذکور نہیں۔ البتہ اتنی بات تو ہاتھ آتی ہے کہ علامہ کی اس شعلہ تاثیری اور جادو بیانی کے پیچھے کوئی ہے ضرور۔ ہمیں نام سے کیا غرض کام سے مطلب ہے۔ مذکورہ بالا عبارتوں کے علاوہ ایک اور حوالہ بھی ہے جس میں علامہ کی

زندگی کا یہ پہلو ایک مستقل عرصے کی محنت اور مجاہدے کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ غالباً آپ کا ابتدائی دور ہوگا۔ ابن رجب آپ کے شاگرد ابن القطیعی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ذکر انه صرد الصوم مدة و اتبع الزهاد ثم رای ان العلم افضل من کل نافلة فانجمع علیه ونظر فی جمیع الفنون والف فیها

ترجمہ: علامہ نے ایک مدت تک مسلسل روزے رکھے اور زاہد لوگوں کی مجالس میں بھی حاضری دی بلکہ ان کی ٹوہ اور طلب وتلاش میں وقت گذارا۔ پھر جب آپ نے دیکھا کہ علم ہر نفل عبادت سے افضل ہے تو آپ یکسو ہوکر اسی میں لگ گئے۔ اور تمام علوم وفنون میں حصہ لیا بلکہ ان میں تالیفات کیں۔

یہ ہے وہ عبارت جس کی بنیاد پر ہم نے یہ دعوی کیا ہے کہ علامہ نے (یقیناً علم سے فارغ ہونے کے بعد کیونکہ بچپن سے تو تحصیل شروع ہو چکی تھی) ایک زمانہ باقاعدہ اللہ والوں کے پاس گذارا ہے۔ جس میں روزے جیسے مجاہداتی عمل سے مشق بہم پہنچائی۔ اور صوفیا کے پیچھے پیچھے رہے۔

یہاں تک پہنچ کر بحمد اللہ ہمیں اپنے سوال کا جواب اور صاحب بصیرت کے قول کی تصدیق مشاہداتی حد تک مل جاتی ہے۔ البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آخری عبارت میں راوی نے تاثر یہ دیا ہے کہ گویا علامہ پہلے بے خبری میں اس کام میں لگے رہے لیکن پھر سمجھ آئی تو اسے چھوڑ دیا۔ ہم راوی سے بصد ادب اختلاف کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اول تو علامہ جیسے آدمی

سے، جو بچپن میں ہی اپنے لئے اہم تعلیمی فیصلے کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، یہ توقع رکھنا کہ وہ ایک عرصہ دراز تک بے کار کام میں اس قدر انہماک سے مشغول رہا ہوگا، خاصا بعید ہے۔ ثانیاً علامہ کا یہ طرز عمل اعراض اور اعلی کی ادنی پر ترجیح نہیں، بلکہ یہاں درحقیقت وہ صورت پیش آئی ہے جسے ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا یا عروج سے نزول کرنا کہتے ہیں۔ تصوف وتزکیہ کے ضروری مراحل ومدارج طے کرنے کے بعد ہر ایک کو اس کے مزاج اور استعداد کے موافق کام میں لگا دیا جاتا ہے۔ اور پھر اس سے کام میں وہ نکھار آتا ہے جسے برکت وقبولیت کہتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کچھ یہی صورت حال علامہ کے ساتھ بھی پیش آئی کہ ضروری پہلوؤں کی تکمیل کے بعد انہیں ان کے اصل کام پر لگا دیا گیا۔ تاہم اس میں بھی وہ اس ربط خفی کو بھولے نہیں بلکہ راتوں کو جا جا کر اللہ والوں کی قدم بوسی کیا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ صرف ظاہر بین عالم نہ تھے بلکہ آپ کے ہاں ظاہر میں جتنا وفور علمی تھا، باطن اس سے کہیں زیادہ موجزن تھا۔ اور آپ عالم کامل ہونے کے ساتھ مکمل صوفی بھی تھے، مگر آپ میں اخفاء کمال درجے کا تھا، اس لیے یہ پہلو زیادہ نمایاں نہ ہوسکا۔ آپ کی اسی خفیہ صوفیت کی چغلی آپ کی یہ تصانیف بھی کھاتی ہیں، جیسے۔ مناقب فضیل بن عیاضؒ۔ مناقب بشر حافی ۔ مناقب ابراہیم بن ادہمؒ۔ مناقب سفیان ثوریؒ۔ مناقب معروف کرخیؒ۔ مناقب رابعہ عدویہؒ وغیرہ۔۔۔ ایسے ٹھیٹھ صوفیاء کے حالات وہی لکھ سکتا ہے جسے ان سے کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ مناسبت وعقیدت ہو۔ ورنہ آج کل کے تو اچھے خاصے مدعیان اعتدال کے ماتھے پر ان حضرات کے نام سن کر ہی شکنیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ سارے قرائن نہ بھی ہوں تو کم از کم آپ کی کتاب تلبیس ابلیس پڑھنے سے ہی

آدمی اندازہ لگالیتا ہے کہ ابن جوزی صوفی بھی ہیں [1]۔ کیونکہ جتنی گہرائی اور باریک بینی سے علامہ نے اس میں صوفیاء کا تجزیہ پیش کیا ہے، وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی نہیں ہوسکتا، بلکہ لامحالہ مشاہدے پر مبنی ہے۔ یعنی آپ نے صوفیاء کو قریب بلکہ بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ظاہر ہے اس مشاہدے میں جہاں کھوٹے لوگوں کو دیکھا ہے وہاں کھروں سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا ہوگا۔۔۔اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ کوئی قلب سلیم رکھنے والا اس طبقہ صافیہ کو اتنا قریب سے دیکھے اور اس ناوک کا گھاؤ لئے بغیر واپس آئے۔ ہم قوم لایشقی جلیسھم

ویسے بھی علامہ کا زمان ومکان وہ ہے جہاں سے ابھی ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے شہ اولیاء تاجدار اصفیاء سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلی (قدس اللہ سرہ واذاقنا ماذاقہ) کا ناسوتی گذر ہوا تھا۔ بغداد کی فضاؤں میں ان کے انفاس قدسیہ کی تاثیر باقی تھی۔ اور ان کے تربیت یافتہ دیوانے بھی یہیں تھے۔ اتنی بڑی شمع کے پروانے فقیہان شہر میں سے چند فرزانوں کو بھی متاثر نہ کریں؟ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

---

① عجب نہیں بلکہ یقیناً صوفیاء کے ساتھ اسی ربط یا خود صوفی ہونے نے ہی آپ کو صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ کے ساتھ تعلق میں اعتدال پر کاربند رکھا ہوگا۔ کیونکہ بقول مولانا مناظر احسن گیلانیؒ صوفیاء کا طبقہ اس باب میں صحیح معنوں میں جادہ اعتدال پر نہ صرف کاربند بلکہ اس کا موثر داعی بھی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں "میرا دعوی ہے کہ سنیت کے مسلک پر کم از کم عامۃ المسلمین کو قائم رکھنے میں سب سے زیادہ موثر حصہ حضرات صوفیاء ہی نے لیا ہے۔ اہل بیت اطہار کے ساتھ ان کا ایک خاص ربط باوجود شدید تسنن (متصلب سنی ہونے) کے اس کامیابی کا بہت کچھ ذمہ دار ہے۔ ورنہ مولویوں کے مناظرانہ مباحث کتابوں میں جس شکل میں پائے جاتے ہیں، ان کے پڑھنے والوں میں کسی ایک طرف غلو پیدا کردے تو کچھ تعجب نہیں" (تعلیم وتربیت: ص۔۲۷۷)

تالیفات:

علامہ کی افاداتی زندگی کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا ایک واعظانہ اور دوسرا تصنیفاتی ۔ واعظانہ کی نسبت بات کرنے کے بعد اب دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس پہلو کو ہم نے دوامی پہلو کے نام سے موسوم کیا تھا جس کی وجہ یہ ہے۔

یلوح الخط فی القرطاس دھرا
وکاتبہ رمیم فی التراب

کہ لکھنے والا چاہے منوں مٹی میں جا کر سو جائے اور مرور زمانہ سے اس کی ہڈیوں تک کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے، مگر اس کی لکھی ہوئی تحریر جبین دہر پر اپنی اپنی حیثیت اور معنویت کے بقدر چمکتی رہتی ہے اور دیکھنے والے اسے دیکھتے اور فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

درحقیقت علامہ ابن جوزی سے ہمارے تعلق کا سبب اور بنیاد یہی پہلو ہے۔ کیونکہ ہم نے نہ تو ان کو دیکھا، نہ مجالس وعظ میں شرکت کی، نہ لوگوں کو گریبان پھاڑتے دیکھا، اور نہ شرکیہ چوٹیاں کٹتے دیکھیں۔ ہم نے اگر کچھ دیکھا ہے تو بس وہی صفحہ قرطاس پر قلم سے پروئے ہوئے موتی۔ انہی کے ذریعے ہم علامہ کی جلالت شان اور قدر ومنزلت کا اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ اس لئے ہمارے واسطے تو یہی سب کچھ ہے۔ آپ کی زندگی کا یہ پہلو اگر عمومیت، فائدے کی وسعت اور ابدیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اول الذکر پہلو سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

آپ کی تالیفی زندگی سے متعلق تذکرہ نگاروں نے، عام سوچ کے لیے

عجیب وحیران کن اور کسلمند طبیعتوں کے لیے بڑی عبرت آموز باتیں لکھی ہیں۔آپ نے ایک دفعہ منبر پر فرمایا: میں نے اپنی ان دو انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی (نقل کی) ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ کس دور کی بات ہے اور اس بات کے بعد مصنف کتنا عرصہ زندہ رہے۔ آپ کی تصنیفی زندگی کی ابتداء تیرہ سال کی عمر سے ہوئی۔کل عمر چونکہ ۸۷ سال کے قریب تھی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ قریب قریب پون صدی تک آپ کا قلم گہر بار رقم قرطاسی لوحات پر اپنے نقوش مرتسم کرتا رہا۔کہتے ہیں اچھی طرح ایک صفحہ لکھنے کے کم از کم سو صفحات اچھی طرح پڑھنے پڑتے ہیں۔اگر یہ بات درست ہے تو پھر علامہ کی وقیع تصنیفات کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ قائم کرنا مشکل نہیں کہ علامہ نے کیا کچھ نہیں پڑھا ہوگا۔اگر یہ کہا جائے تو بالکل مبالغہ نہ ہوگا کہ علامہ ابن جوزی ان فرض شناس اور زندگی کے قدردان لوگوں میں سے تھے جن کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا اور وہ کوئی لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔وقت تو وقت ہے اور بہت قیمتی ہے، تذکروں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ علامہ ابن جوزی اپنے قلم کے تراشے اور برادہ بھی ضائع نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے جمع کرتے جاتے تھے مرتے ہوئے وصیت کی تھی کہ میرے غسل کا پانی ان سے گرم کیا جائے وہ برادہ اور تراشے اتنے تھے کہ غسل کا پانی گرم کرنے کے باوجود بھی بچ گئے۔

آپ نے عمر بھر لکھا، اور بہت کچھ لکھا۔ابن برزوی فرماتے ہیں:

ولم یترک فناً من الفنون الاوله فیه مصنفاً.

ترجمہ: اس اللہ کے بندے نے کوئی علم وفن ایسا نہیں رہنے دیا جس میں اپنے قلم سے نقش تابدار (یعنی کوئی تالیف) نہ چھوڑی ہو۔

اور ابن رجب آپ کی تالیفی اُپج کے بارے میں رقم طراز ہیں:

علامہ ابن جوزی جب کوئی بھی کتاب دیکھتے اور انہیں وہ پسند آتی تو فوراً اسی جیسی کتاب تالیف کردیتے چاہے اس سے پہلے اس علم فن میں آپ نے کوئی کام کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور ایسا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ آپ کو فطرت سے اعلی درجے کی ذہانت اور قوت فہم عطا ہوئی تھی۔

اور علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ولہ من التصانیف فی الحدیث وفنونہ مالم یصنف مثلہ قد انتفع الناس بہ.

ترجمہ: علامہ ان جوزی نے علوم حدیث کے میدان میں ایسی کتابیں بھی تالیف کی ہیں جو اس سے پہلے لکھی ہی نہیں گئی تھیں اور لوگوں نے ان سے ان کی ندرت کی وجہ سے خوب فائدہ اٹھایا۔

صیرفیِ رجال علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

ماعلمت ان ا حداً من العلماء صنف مثل ماصنف ھذاالرجل.

اس بندہ خدا نے تصنیف کے میدان میں وہ نقوش چھوڑے ہیں جو میرے علم کی حد تک پہلے وجود میں نہیں آئے تھے۔

تصانیف کی تعداد:

خود علامہ نے اپنی تالیفات کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بتائی ہے۔ آپ کے نواسے کے بقول آپ کی کتابوں کی تعداد ۲۵۰ کے آس پاس ہے۔ اور علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

قلت :وكذا وجد بخطه قبل موته ان تواليفه بلغت مئتين وخمسين تاليفاً.

ترجمہ: آپ کی وفات سے قبل لکھی ہوئی ایک تحریر میں یہ تھا کہ آپ کی تالیفات کی تعداد ۲۵۰ تک پہنچ گئی ہے۔

سیر اعلام النبلاء میں تصانیف گنوانے کے بعد علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

وقيل :نيفت تصانيفه على الثلاث مأة.

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی تالیفات تین سو کے لگ بھگ ہیں۔

اس کے علاوہ ماضی قریب کے بعض محققین نے بھی تین سو کے قریب تالیفات گنوائی ہیں اگرچہ اس پر بھی کچھ رسالوں کا استدراک اور اضافہ کیا گیا ہے تا ہم اس ساری تحقیق اور کدو کاوش کے بعد علامہ کی تالیفات کی تعداد تین سو سے لیکر زیادہ سے زیادہ چار سو تک پہنچتی ہے۔ اس سے زیادہ بالکل بھی نہیں۔ ایک طرف یہ تحقیق ہے اور دوسری طرف علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وله مصنفات فى امور كثيرة حتى عددتها فرأيتهااكثرمن الف مصنف ورأيت بعد ذلك مالم اره. (الاجوبة المصرية)

ترجمہ: علامہ ابن جوزی کی بہت سی تالیفات ہیں میں نے انہیں شمار کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد ایسی تالیفات بھی دیکھیں جو اس سے پہلے نظر نہیں آئی تھیں۔

ایک طرف تین سو سے کچھ اوپر کا عدد ہے اور اس کے مویدات، قرائن اور مرجحات بھی کافی ہیں اور دوسری طرف ہزار سے بھی اوپر کا عدد ہے۔ یہ ایک تعارض ہے اور بہت بڑا تعارض ہے جس کے لیے تطبیق کی صورت ہو تو کیا ہو؟ اسے کتابت غلطی یا علامہ کی خطا سمجھی جائے۔ یا اسے اسی عام مبالغاتی تاثر اور انداز کا مظہر قرار دیا جائے جو علامہ کی تحریرات میں نمایاں اور آپ کے قلم کا جز و لازم ہے۔ واللہ اعلم غفر اللہ لنا ولھم جمیعاً.

تدریسی زندگی:

علامہ نے اپنی زندگی وجوہ خیر اور اچھائی کے کاموں کے لیے گویا وقف کر رکھی تھی انہوں نے وعظ ونصیحت اور تالیف وتصنیف کے ساتھ ساتھ علماء کی اہم خصوصیت اور پہچان بلکہ علمی رسوخ کے ضامن یعنی تدریس کو بھی اپنے معمولات زندگی کا حصہ بنائے رکھا۔ ایک جگہ اپنی اس چیز کو از راہ تحدیث بالنعمت تفاخر کے رنگ میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وصار لی الیوم خمس مدارس.
آج میرے پانچ تدریسی مراکز اور مدرسے ہیں۔

علامہ خود متعدد مدارس میں تدریس کرتے رہے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد جو اپنے دور کی گویا مشہور عالمی یونیورسٹی تھی اس میں بھی علامہ تدریس کرتے رہے۔ یہیں حافظ سعدی شیرازی کے قوالی کے سماع والا قصہ پیش آیا جسے انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

علامہ نے اگرچہ اپنی ذاتی زندگی تقشف میں نہیں گذاری بلکہ اپنی خوراک

اور لباس وغیرہ میں تھوڑے بہت تکلف کہیے یا ضرورت اس کا خیال رکھتے تھے، اور اس کے پس منظر میں ان کی خاندانی معاشی حالت بھی کارفرما تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی ضروریات کی حد تک ہی مال و دولت سے کام رکھا ہے اور اسی حد تک اسے خرچ بھی کرتے تھے۔ جو ہدایا وغیرہ ملتے تھے ان سے کوئی جاگیر اور مستقل جائیداد نہیں بنائی بلکہ اسے ایک ایسے مصرف میں خرچ کیا جو واقعتاً مستقل اور ابدی جائیداد ہے۔ یعنی آپ نے اپنی گرہ سے بغداد کے علاقے میں ایک مدرسہ بنایا اور اس طرح اجر کے ساتھ ساتھ اپنے تدریسی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ ابن رجب لکھتے ہیں:

ثم ان الشیخ بنی مدرسة بدرب دینار ودرس بها سنة سبعین وذکر اول یوم تدریسه بها اربعة عشر درساً من فنون العلم

ترجمہ: پھر علامہ ابن جوزی نے درب دینار میں ایک مدرسہ بنایا، اور اس میں اپنے پہلے روز کی تدریسی کارگزاری کے اندر مختلف علوم وفنون کے چودہ اسباق کا ذکر کیا ہے۔

اس ایک مدرسے کے بارے میں تو صراحت مل گئی البتہ پیچھے ذکر کردہ پانچ مدارس کے بارے میں یہ وضاحت نہیں کہ وہ اپنے ذاتی مال اور مصارف سے تیار کردہ تھے یا ان میں سرکاری بھی تھے۔ اگرچہ ایسی کوئی ٹھوس شہادت نہیں کہ جس کی بنیاد پر کھلے لفظوں میں دعویٰ کیا جاسکے، تاہم انداز تعبیر سے ذاتی ہونے کا خاصا عندیہ ملتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ علامہ اپنا کتنا مال اور آمدن طلبائے علوم نبوت پر خرچ کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہ اس کے بعد علامہ کے پاس جمع کرنے اور کوئی جاگیر وغیرہ بنانے کے لیے آخر بچتا ہی کیا کچھ ہوگا۔!

تلامذہ:

ویسے تو پورا بغداد ہی آپ کے مستفیدین میں سے اور ایک لحاظ سے شاگرد تھا، اسی طرح حدیث کا سماع کرنے والے بھی بے شمار لوگ تھے، لیکن ان سارے لوگوں میں سے کچھ حضرات علامہ کے خاص اور نمایاں تلامذہ تھے۔ جن کے نام یہ ہیں

طلحہ علثی۔ ابو عبد اللہ ابن تیمیہ (دادا) خطیب حران۔ علامہ کے صاحبزادے محی الدین۔ نواسے ابو المظفر۔ شیخ موفق الدین ابن قدامہ (صاحب مغنی)۔ حافظ عبد الغنی۔ ابن الدبیثی۔ ابن القطیعی۔ ابن النجار، ابن خلیل۔ ابن عبد الدائم۔ النجیب عبد اللطیف حرانی۔ (یہ علامہ کے آخری شاگردوں میں سے ہیں)۔

درس قرآن کا دستور:

علامہ کے اس کارنامے کو وعظ میں شامل کیجئے تو وعظ ہے اور تدریس کہیں تو تدریس ہے ویسے تدریس سے اس کا تعلق زیادہ اور قریبی ہے۔ یہ کارنامہ کیا ہے خود انہی کے الفاظ میں سنیئے۔ لکھتے ہیں:

> وفی هذه السنة انتهى تفسيرى فى القرآن فى المجلس على المنبر الى ان تم فسجدت على المنبر سجدةتشكر وقلت :ما عرفت ان واعظاً فسر القرآن كله فى مجلس الوعظ منذ نزل القرآن ثم ابتدأت ختمة افسرها على الترتيب والله قادر على الانعام والاتمام والزيادة من

فضلہ۔۔۔(ذیل طبقات لابن رجب)

ترجمہ:اس سال منبر پرلوگوں کی مجلس میں میری تفسیر قرآن پوری ہوئی جب پوری ہوئی تو میں نے انتہائی امتنان واحسان مندی کے ساتھ منبر پر ہی اللہ کا شکر یہ ادا کیا اور سجدہ شکر بجالایا۔اور میں نے کہا:

میرے علم کے مطابق نزول قرآن سے لے کر آج تک کسی واعظ/خطیب نے مجلس وعظ میں پورے قرآن کی تفسیر نہیں بیان کی۔

پھر میں نے ایک اور ختم کی ترتیب بنائی اور ترتیب کے ساتھ تفسیر بیان کرنے کا کام شروع کیا اللہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے ہیں۔

درس قرآن کے سلسلے کا علامہ ابن جوزی کو اس لحاظ سے موجد کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

حلیہ وشمائل:

شیخ موفق الدین عبد اللطیف علامہ کے حلیے کے بارے میں بڑے جامع اور موزوں الفاظ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نازک اندام،شیریں خصائل،خوش آواز،ہنس مکھ،موزوں گفتگو،اور متناسب چال ڈھال کے مالک تھے۔آپ سفید رنگ کا نرم گداز اور خوشبودار لباس زیب تن کرتے تھے۔

متعدد تذکرہ نگاروں نے یہ بات لکھی ہے کہ:

علامہ نے حب بلاذر ① پیا، جس کی وجہ سے آپ کی داڑھی جھڑ کر بہت چھوٹی رہ گئی تھی۔ آپ اس پر سیاہ خضاب لگاتے تھے ② اور یہ سلسلہ وفات تک جاری رہا۔ علامہ چونکہ علمی مشغلہ رکھتے تھے اور خود طب سے بھی واقفیت تھی اس لیے اپنی صحت کا بہت خیال رکھتے تھے، اور ہمیشہ وہ چیزیں استعمال کرتے تھے جو دماغ اور حافظے کے لیے تقویت کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ آپ غذا میں عام طور سے چوزہ استعمال کرتے، اور پھل و میوہ جات کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ (طبقات)

نظر بندی کے مصائب:

حضرات صوفیاء اور بڑے لوگ اپنے مریدین اور مبتدی سالکین سے

---

① حب بلاذر۔ یعنی بلاذر کے دانے۔ بلاذر ایک خشک میوہ ہے جسے کاجو کہتے ہیں۔ اس کو خاص ترکیب سے حافظے کی تقویت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا نسخہ حافظے کے لیے بے حد مفید ہے لیکن اگر ترکیب اور استعمال میں ذرا سی بے احتیاطی اور اونچ نیچ ہو جائے تو اتنا ہی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ جو بسا اوقات موت، پاگل پن، یا کم از کم برص اور جذام وغیرہ جیسے امراض کا باعث بن جاتا ہے۔ ایک تو اس کا یہی اثر ہے جو علامہ پر ظاہر ہوا اس کے علاوہ تراجم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبدالرحمان بن مہدی اور ابوداؤد طیالسی نے اسے استعمال کیا تو اول الذکر کو برص اور دوسرے کو جذام کی شکایت ہو گئی۔ اور ابن خلکان کے بقول مدرسہ نظامیہ کے پانچ مدرسین نے استعمال کیا تو پانچوں کے پانچوں عقل سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان پانچ میں سے ایک دن ایک صاحب عریاں حالت میں باہر آئے اور کہنے لگے: ہم پانچ لوگوں نے بلاذر استعمال کیا تھا۔ صرف میں صحیح ہوں اور باقی سارے پاگل ہو گئے ہیں۔ (فللہ عجائبہ)

② سیاہ خضاب کے جواز پر علامہ نے ایک پوری کتاب بھی لکھی تھی۔ اس مسئلے میں یہ علامہ کی انفرادی رائے ہے، ورنہ جمہور اہل علم کے نزدیک بالکل سیاہ خضاب کا استعمال جائز نہیں۔ ش۔ ا۔

کہا کرتے ہیں ہماری انتہاء نہ دیکھو، ہماری ابتدا پہ نظر رکھو، ہماری ابتداء دیکھو گے تو کچھ بنو گے اگر انتہاء دیکھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ کیونکہ ایسے حضرات کی ابتدائی زندگی مجاہدے، کسر نفس، زہد و تقشف، بے سرو سامانی سے عبارت ہوتی ہے اور آخری حصے میں فتوحات کی جھلک آ جاتی ہے جس کی چمک دمک سے کچے ذہن اور کمزور قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ اسی ضابطے ہی کی کارفرمائی سمجھیے یا سوءِ اتفاق کہ بڑے حضرات کی اولادیں عام طور سے بڑی نہیں ہوتیں۔ بسا اوقات نہ صرف یہ کہ بڑی نہیں ہوتیں بلکہ بت چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ خود علامہ ابن جوزی کے تین بیٹے تھے ایک تو عنفوان شباب میں ہی فوت ہو گئے دوسرے نیک صالح عالم و واعظ بنے اور تیسرے صاحب ایسے نکھد اور نکھٹو نکلے کہ علامہ نے ان کی حرکات کی وجہ سے انہیں اپنے گھر سے نکال دیا اور وہ ایک دوسرے شہر میں رہتے تھے جب علامہ نظر بند ہوئے (جس کی تفصیل ابھی آیا چاہتی ہے) اور ان صاحب کو پتہ چلا تو یہ بغداد آئے اور راتوں رات باپ کی بہت سی کتابیں چپکے سے نکالیں اور انہیں ''چوری کے کپڑے لاٹھیوں کے گز'' کے حساب سے اونے پونے داموں پر فروخت کر دیا۔

کچھ اسی قسم کی صورتحال ہمارے زیر نظر معاملے میں بھی پیش آئی۔ ہوا یوں کہ شہ اولیاء راس الاتقیاء سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی کے پوتے جن کا نام عبدالوہاب رکن تھا۔ انہوں نے کچھ کتابیں ایسی لکھیں جن کے اندر نجوم اور فلسفے وغیرہ سے متعلق کچھ ایسی باتیں تھیں جو علماء کے لیے قابل اعتراض تھیں۔ اس دور کے وزیر خلافت ابن یونس حنبلی نے ایک اجتماع اور محفل میں عبدالوہاب رکن کو بلا کر کچھ لوگوں کی موجودگی میں جن میں علامہ ابن جوزی بھی شامل تھے، ان کی کتابیں جلوا دیں اور اس کے بعد ان کے پاس دادا جان کا مدرسہ تھا اسے لے کر علامہ ابن جوزی کے حوالے

کردیا۔ اس ساری کاروائی کے محرکات یا حقیقی اسباب کچھ بھی ہوں ابن جوزی اس کام میں شریک ہوں یا نہ ہوں بہرحال جس انداز سے کام کیا گیا اس سے عبدالوہاب کے ذہن میں بجا طور پر یہ بات آ گئی کہ یہ سارا کیا کرایا ابن جوزی کا ہے۔ لہذا اس سے بدلہ لینا چاہیے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔

کچھ عرصے بعد ابن یونس حنبلی کی جگہ ابن قصاب خلیفہ ناصر کا وزیر بنا اور ابن قصاب کٹر رافضی اور شیعہ تھا۔ اس نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی ابن یونس اور اس کے ساتھیوں کے گرد حلقہ تنگ کرنا شروع کیا۔ انہی دنوں عبدالوہاب بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور اسے کہا: تم ادھر ادھر تو پکڑ دھکڑ کر رہے ہو۔ اس ابن جوزی کا تمہیں کوئی خیال نہیں۔ جو ناصبی (اہل بیت کا دشمن) ہے اور ابوبکر کی اولاد میں سے ہے۔ یہ ابن یونس کے نمایاں ساتھیوں میں سے تھا اسی نے میری کتابیں جلوائیں اور میرے دادا کا مدرسہ لیا۔ ایک طرف یہ سب معاملہ تیار تھا اور دوسری طرف خلیفہ مستضی باللہ کے بعد خلیفہ ناصر آیا۔ خلیفہ مستضی تو ابن جوزی کا معتقد تھا مگر ناصر کی علامہ سے بنی نہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو ناصر کا اپنا میلان شیعت کی طرف تھا دوسرے ابن جوزی بھی مجالس میں اس کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ چنانچہ اب کیا ہوا ایک طرف ابن قصاب کی سازش اور دوسری طرف ناصر کا پہلے سے بنا ہوا ذہن۔ جب ابن قصاب نے ناصر سے ابن جوزی کو گرفتار کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے اجازت دیدی۔ وہ شیخ کے گھر آیا رات کا وقت تھا پہلے بدتمیزی کی اور انتہائی نازیبا کلمات کہے اور پھر ان کی کتابیں اور ان کا گھر بحق سرکار سربمہر کردیا، اور علامہ کے اہل خانہ کو وہاں سے نکال کر دربدر کردیا۔ اور خود علامہ کو گرفتار کر کے کشتی میں بٹھایا۔ اس وقت آپ کے جسم پر صرف ایک گدڑی تھی۔ اور سر پر ہلکا سا پٹکا تھا۔ پانچ دن تک کشتی میں

کھانے پینے کو کچھ نہ دیا گیا۔ کشتی واسط جا کر رکی۔ اس سارے عرصے میں عبدالوہاب رکن علامہ کے ساتھ رہا۔ جب واسط پہنچے وہاں آپ کو ایک گھر میں نظر بند کر دیا گیا، اور دروازے پر دربان بٹھا دیا گیا۔ کچھ طلبہ وغیرہ آجاتے تھے اور پڑھ لیا کرتے تھے اس دوران علامہ بہت سے اشعار لکھ لکھ کر بغداد روانہ کیا کرتے تھے۔

اس وقت علامہ کی عمر اسی سال کے قریب تھی۔ اس بڑھاپے کے عالم میں پانچ سال تک آپ اس گھر میں بند ہو کر رہے۔ جس میں قید یا پابندی ہی نہیں تھی بلکہ علامہ کو وہ سارے کام جو نازنعم والے گھرانے اور زندگی والے لوگوں کے لیے انتہائی مشکل ہوتے ہیں، خود کرنے پڑے۔ جیسے اپنے کپڑے دھونا، کھانا تیار کرنا، کنویں سے پانی خود لانا، اور حمام تک بھی نہ جا پانا۔ لیکن اس عرصے میں بھی کمال کی بات دیکھیے فرماتے ہیں:

قرأتُ بواسط مدة مقامی بها كل يوم ختمة

ترجمہ: واسط میں نظر بندی کے تمام عرصے میں ہر روز ایک قرآن ختم کیا کرتا تھا۔

اور یہیں پر رہتے ہوئے جب آپ کے بیٹے آپ کی رہائی کا پروانہ لے کر آئے تو آپ نے ان کو ساتھ لے کر ابن باقلانی سے قرآت عشرۃ پڑھیں اور پھر بغداد کے لیے رخت سفر باندھا۔ طلب علم کی حرص اور علو ہمت کی اس مثال پہ قربان جایئے۔ اس بات کو نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبی جیسے آدمی نقاد جو کسی کمال کو کمال سمجھنے اور اسے اپنے حساب سے ذرا سا بھی زیادہ درجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے قلم سے بھی یہ لفظ نکل گیا:

فانظر الى هذه الهمة العالية

یہاں سے آپ کی رہائی کا سبب ایسے پیدا ہوا کہ بغداد میں آپ کے بیٹے یوسف وعظ کہنے لگے جس کے واسطے سے ان کی رسائی خلیفہ کی والدہ تک ہوئی تو خلیفہ کی والدہ نے خلیفہ ناصر سے رہائی کے احکامات صادر کروائے۔ جب آپ بغداد آئے تو پھر وہی پہلی سی رونق اور گرما گرمی سے وعظ اور تالیف کا کام شروع کیا اور یہ کام موت تک جاری رہا۔ یعنی رہائی کے بعد تقریباً پانچ سال کا عرصہ آپ نے اپنے ان افاداتی مشاغل میں گذارا۔

وفات اور تدفین:

علامہ کے نواسے ابوالمظفر کہتے ہیں:

دادا جان نے سات رمضان بروز ہفتہ ۵۹۷ھ کو وعظ فرمایا اور کچھ درد بھرے اشعار پر مجلس کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد منبر سے نیچے تشریف لائے اور بیمار پڑ گئے۔ آپ کی یہ بیماری پانچ دن تک چلتی رہی۔ پھر جمعے کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان جان سپردِ آفریں کی۔ اس لحاظ سے آپ کا یوم وفات؛

۱۳ رمضان المبارک شب جمعہ ۵۹۷ھ بنتا ہے۔

وفات کے وقت آپ کی عمر زیادہ تخمینے کے مطابق ۸۹ سال اور کم کے مطابق ۸۵ سال بنتی ہے۔ شیخ ضیاء الدین بن سکینہ اور شیخ ضیاء الدین بن جبیر نے سحری کے وقت آپ کو غسل دیا۔

علامہ کی وفات کی خبر شہر بھر میں پھیل گئی اور اہل بغداد اکٹھے ہو گئے۔ بازار بند ہو گئے۔ لوگوں کے ازدحام اور کثرت کی وجہ سے تابوت کو رسیوں سے باندھا گیا یعنی بڑے بانس وغیرہ لگا دیئے گئے۔ آپ کی میت کو اس جگہ لے جایا گیا جہاں آپ

وعظ کے لیے تشریف فرما ہوتے تھے۔آپ کے بیٹے ابوالقاسم نے آپ کی پہلی نماز جنازہ پڑھائی پھر میت جامع منصور لائی گئی وہاں بھی لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی، اور بہت رش ہوگیا۔اسی رش کی وجہ سے صبح کے چلے آپ کی قبر تک (جو کہ امام احمدؒ کے قریب تھی) پہنچنے میں جمعہ کا وقت ہوگیا۔موسم گرمی کا تھا۔اوپر سے گرمی، اور مہینہ رمضان کا، لوگوں نے روزے رکھے تھے، شدت پیاس کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے روزے افطار کردیئے اور گرمی سے تسکین حاصل کرنے کے لیے ظاہریہ نامی خندق میں کھڑے پانی میں چھلانگیں لگائیں۔جب آپ کو لحد میں اتارا جارہا تھا اس وقت مسجدوں میں موذن (جمعہ کے لیے) اللہ اکبر کی آواز لگارہے تھے یعنی جمعے کی اذانیں ہورہی تھیں۔آپ کی وفات پر پورا شہر سوگوار، ہر آنکھ اشکبار، ہر دل مضطرب اور افسردہ تھا۔لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔گویا آپ کا جنازہ امام احمدؒ کے اس قول کی تصویر تھا۔مابيننا وبينكم الجنائز.

ہمارے (اہل حق) اور تمہارے (اہل باطل) کے درمیان فیصلہ کن چیز ہمارے جنازے ہیں۔

رحمه الله رحمةً واسعةً.

کچھ کتاب کی نسبت سے:

ہمارے زیرِ نظر کتاب کا پورا نام یہ ہے:

الرد على المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد۔

جس کا ترجمہ ہے: اس ضدی اور ہٹ دھرم شخص کا جواب جو یزید کی مذمت سے روکتا ہے۔

استنادی حثیت:

یہ کتاب ابن جوزی کی ہی تالیف ہے یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ درج ذیل علماء نے اپنی کتابوں میں اس کو علامہ ابن جوزی کی تصنیف کے طور پر ذکر کیا ہے:

(۱) سبط ابن جوزی ------ تذکرۃ الخواص ------ صفحہ ۲۸۷
(۲) ابن اثیر -------- الکامل فی للتاریخ ------ ص ۲۶۵ ج ۸
(۳) ابن کثیر -------- البدایہ والنہایہ -------- ص ۲۲۳ ج ۴
(۴) ابن تیمیہ -------- منہاج السنۃ -------- ص ۴۷ ۵
(۵) ابن رجب ------- ذیل طبقات الحنابلہ ------ ص ۳۵۶ / ۴۱۷ ج ۵
(۶) علامہ ذہبی -------- سیر اعلام النبلاء -------- ص ۱۶۰ ج ۲۱
(۷) ابن حجر ہیثمی ------- الصواعق المحرقہ -------- ص ۲۲۲
(۸) حاجی خلیفہ -------- کشف الظنون -------- ص ۹ ر ۸۳ ج ۱
(۹) اسماعیل پاشا -------- ہدیۃ العارفین -------- ص ۵۲۱ ج ۱
(۱۰) الخوانساری -------- روضات الجنان -------- ص ۳۶ ج ۵
(۱۱) عبدالحمید علوجی ------ مولفات ابن الجوزی ------ ۱۰۳

مذکورہ بالا حضرات میں سے بعض نے کتاب کا مکمل نام ذکر کیا ہے اور بعض نے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ علامہ ابن جوزی نے (عبدالمغیث حنبلی کے رد میں) یزید پر لعنت کے جواز میں ایک کتاب لکھی ہے۔

زمانۂ تالیف:

کتاب کی تالیف کا زمانہ بالتعیین تو معلوم نہیں، البتہ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۵۷۵ھ کے بعد کی تالیف ہے۔ کیونکہ ۵۷۵ھ کو خلیفہ ناصر تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا اور یہ واقعہ اس کی مجلس کا ہے (جیسا کہ مقدمہ کتاب میں مذکور ہے) اور

۵۷۵ کو اس کتاب کے مخاطب اور موضوع سخن عبدالمغیث حنبلی صاحب کا انتقال ہوا تھا۔لہذا اس تالیف کا زمانہ لامحالہ ۵۷۵ سے لیکر ۵۸۵ھ کے درمیان کا ہے جس وقت کہ علامہ کی عمر ۶۵ یا ۷۰ سال کی تھی۔

سببِ تالیف:

کتاب کا سبب تالیف خود علامہ نے اپنے مقدمے میں ذکر کیا ہے۔علامہ کی مجالس وعظ کی مقبولیت اور عوام کے اس میں شرکت کے قصے تو معروف ہی ہیں۔ان مجالس میں علامہ سے لوگ مختلف موضوعات پر سوال بھی کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی موقع پر ایک سائل نے یہ سوال کیا کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ نے اس سے یہ کہا کہ ہمارے لیے اس معاملے میں سکوت زیادہ مفید ہے۔ سائل نے اصرار سے کہا سکوت کے مفید اور بہتر ہونے کا تو مجھے بھی معلوم ہے میرا مقصد تو یہ ہے کہ لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں علامہ نے بڑے حکیمانہ انداز سے جواب دیا: اور خود اہل مجمع سے ہی پوچھا بھلا آپ ہی بتائیں!

ایک آدمی کو تین سال حکومت ملی۔اس نے پہلے سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور دوسرے سال اہل مدنیہ کو ستایا اور مدنیہ کو مباح عام کردیا، اور تیسرے سال کعبے پر منجنیقوں سے گولہ باری کی اور اسے گرایا۔آپ ہی بتایئے ایسے آدمی کے بارے میں آپ کا رویہ کیسا ہونا چاہیئے؟

لوگوں نے کہا: ہم تو اس پر لعنت کرتے ہیں۔ابن جوزی نے کہا بس لعنت کرو پھر خود بھی خلیفہ ناصر اور بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں برسرمنبر اس پر لعنت کی۔(تذکرۃ الخواص، ص۲۹۱)

جب یہ بات عبدالمغیث حنبلی کو پہنچی تو اس نے علامہ کی اس بات کے جواب

میں فضائل ''یزید نامی'' ایک رسالہ لکھ دیا۔ پھر علامہ نے اس کتاب کا تحریری شکل میں رد لکھا، جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں علامہ صاحب نے کتاب اور ان کے دلائل کے خوب لتے لیے۔ جس کی تفصیل کتاب میں ملے گی۔

فضائل یزید علماء کی نظر میں:

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ صرف علامہ ابن جوزی نے ہی اس کتاب سے براءت، اور نفرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ دیگر اہل علم نے بھی اس کو بنظر استحسان قطعا نہیں دیکھا۔ ابن الاثیر کہتے ہیں:

اتی فیه بالعجائب

ترجمہ: عبدالمغیث نے اس کتاب میں عجیب وغریب باتیں کی ہیں۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اتی فیه بالغرائب والعجائب ،وقدرد علیه ابن الجوزی فأجادوأصاب

ترجمہ: عبدالمغیث نے اپنی اس کتاب میں نئے نئے گل کھلائے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اس کا رد لکھا ہے اور خوب ٹکا کر لکھا ہے اور بالکل صحیح باتیں لکھی ہیں۔

اس سے زیر نظر اصل مسئلے یعنی مقام یزید کے حوالے سے علامہ ابن کثیر کی اپنی رائے اور طرز بھی سامنے آتا ہے کہ وہ فضائل یزید کے مقابلے ذم یزید کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس پر لکھی ہوئی تالیف کو جید اور صواب قرار دے رہے ہیں۔

اور صیرفی رجال علامہ ذہبی نے اس موقع پہ یہ لکھا:

اتی فیه بالموضوعات (العبر للذہبی)

ترجمہ: عبدالمغیث صاحب نے اس کتاب میں موضوع اور من گھڑت روایتیں ذکر کی ہیں۔

صرف اسی پر بس نہیں۔آگے فرمایا:

انی فیه بعجائب واوابد لو لم یؤلفه لکان خیراً

ترجمہ: عبدالمغیث صاحب نے اس تالیف میں بوالعجبیاں، دور ازکار، اور بے تکی باتیں اکٹھی کی ہیں۔اگر وہ یہ کتاب نہ لکھتے تو اچھا ہوتا۔

عبدالمغیث حنبلی کا علمی مقام:

یہ تو کتاب پر تبصرہ تھا، اب ذرا ایک نظر صاحبِ کتاب یعنی عبدالمغیث حنبلی صاحب کے علمی مقام پر بھی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔جناب کے علمی قد کاٹھ کا کچھ اندازہ تو زیرِ نظر کتاب میں علامہ ابن جوزی کی تحریر سے ہو جائے گا۔اس کے علاوہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

له غلطات تدل علی قلة علمه (سیر اعلام النبلاء)

ترجمہ: عبدالمغیث صاحب کی متعدد ایسی غلطیاں ہیں (جو صرف غلطیاں ہی نہیں بلکہ) وہ (اپنی نوعیت کے اعتبار سے) حنبلی صاحب کی کم علمی کا شاخسانہ اور مظہر ہیں۔

یزید کی شخصیت
علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں
مترجم
مولانا مفتی شعیب احمد

یزید کی شخصیت
علامہ ابن جوزی کی نظر میں

خطبہ

الحمد لله الذي نجانا بالعلم من موافقة الضلال والاهواء ،وسلمنا من موافقة الجهال الغوغاء ، واشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له شهادة الموقنين العلماء ،واشهد ان محمداعبده ورسوله سيد المرسلين وخاتم النبيين وعلى اهل بيته الطاهرين الفضلاء وعلى آله واتباعه الى يوم الحشر والجزاءوسلم.

ترجمہ: تمام تعریفوں کا سزاوار وہی خدائے وحدہ لاشریک ہے جس نے ہمیں اپنے لطف وعنایت سے گمراہوں اور خواہش پرستوں کی ہاں میں ہاں ملانے سے محفوظ رکھا، اور جاہل لوگوں کے فضول شوروغل اور چیخ چیخ کی موافقت وتائید سے ہمارا دامن بچایا۔ میں اپنے تہہ دل سے ایمان وایقان کی گہرائی کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول بلکہ سید الرسل اور خاتم

الانبیاء ہیں ۔قیامت کی صبح تک خدا کی رحمتیں اور درود وسلام
ہوں اس ہستی پر اور ان کے پاکیزہ اور ارباب فضائل اہل بیت
پر اور آپ علیہ الصلوۃ السلام کے صحابہ اور تمام کے تمام
پیروکاروں پر۔آمین ثم آمین

زیر نظر تحریر کا پس منظر:

میری وعظ کی مجلس میں ایک سائل نے یزید کی ذات کے بارے میں سوال کیا اور اس بارے میں بھی پوچھا جو اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔اسی طرح جو اس نے مدینہ منورہ میں لوٹ مار مچائی۔ان سب باتوں کے بعد اس نے پوچھا کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟

میں نے اس سائل کو جواباً کہا:

یکفیه مافیه: وہ جس مقام میں ہے اس کو وہی کافی ہے۔

والسکوت اصلح: اور (ہمارے لیے) سکوت اور خاموشی زیادہ بہتر ہے۔

میری یہ بات سن کر سائل نے کہا اتنی بات تو مجھے بھی معلوم ہے کہ سکوت زیادہ بہتر ہے میرا پوچھنے کا مقصد تو یہ ہے کہ کیا اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

میں نے اس سوال کا مختصراً یہ جواب دیا:

بہت سارے محتاط اور زہد وتقوی والے اہل علم نے اس پر لعنت کو روا رکھا ہے۔ان علماء میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نام بھی شامل ہے

میری مجلس وعظ کی یہ گفتگو ایک ایسے صاحب کے پاس پہنچی جنہوں نے احادیث اور مرویات کا علم تو حاصل کیا تھا، لیکن عامیانہ تعصب کی چادر نہیں اتاری

تھی۔ ان صاحب نے میری اس بات کی نہ صرف تردید کی، بلکہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے یزید کی حمایت میں ایک رسالہ لکھ ڈالا اور اسے ہمارے ایک عزیز دوست کے پاس بھیج دیا۔ میرے عزیز نے مجھ سے التماس کی کہ میں اس رسالے کا جواب اور رد لکھوں۔ میں نے اپنے اس دوست سے عرض کیا:۔

مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا کہ یہ صاحب (یعنی عبدالمغیث حنبلی) کم علمی اور ناسمجھی کا شکار ہیں حالانکہ محدث تو سمجھ بوجھ اور خرد و دانش والے ہوتے ہیں۔

یعقوب بن اسحاق فرماتے ہیں:

لوگوں کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو علم بھی رکھتے ہیں اور انہیں اس بات کا ادراک وشعور اور احساس بھی ہے کہ ہمارے پاس علم ہے۔ یہ قسم علماء کی ہے۔ ان سے علم کی باتیں اور دین وشریعت حاصل کرو۔

۲۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو علم تو رکھتے ہیں لیکن انہین یہ احساس واستحضار نہیں کہ ان کے پاس علم ہے۔ ایسے لوگ بھولے ہوئے ہیں انہیں یاد دلاؤ۔

۳۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو علم تو نہیں رکھتے البتہ انہیں یہ احساس ضرور ہے کہ ہمارے پاس علم نہیں۔ یہ قسم طلب والے لوگوں کی ہے ان کو علم دین سکھاؤ۔

۴۔ چوتھی قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو نہ تو علم کے حامل ہیں اور نہ ہی انہیں یہ خبر ہے کہ ہم علم سے تہی دامن ہیں۔ یہ لوگ جاہل محض ہیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو (یعنی منہ نہ لگاؤ)۔

عبدالمغیث حنبلی کا علمی پایہ:

ہمارے موصوف (یعنی حمایت یزید میں قلم اٹھانے والے صاحب) ایسے ہیں کہ انہیں نہ تو منقولات کا پتہ ہے اور نہ ہی معقولات کی سمجھ بوجھ۔ حدیث کی روایت اور عبارت تو پڑھ لیتے ہیں، لیکن صحیح اور ضعیف کی پہچان سے تہی دامن ہیں، مقطوع روایت کو موصول سے جدا نہیں کر پاتے، صحابی اور تابعی کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے، ناسخ و منسوخ میں تمیز کی اہلیت نہیں اور نہ ہی دو مختلف حدیثوں میں تطبیق و توفیق کے فن سے آشنا ہیں۔

ایک طرف یہ نااہلیت اور دوسری طرف عامیانہ تعصب کا چشمہ بھی اپنے دیدہ بصیرت پر چڑھا رکھا ہے جس کی وجہ سے ان کا طرز یہ ہے کہ جب بھی اپنی من پسند اور اپنے قائم کردہ نظریئے کے موافق کوئی حدیث دیکھتے ہیں تو اس کو قبول کر کے اسے اپنی دلیل بنا لیتے ہیں، چاہے فہم و ادارک والے دیگر علماء و فقہاء (دوسری احادیث کی بنا پر) اس کے خلاف ہی رائے کیوں نہ رکھتے ہوں۔

علمِ حدیث سے تہی دامنی:

ہم نے ان صاحب کے بارے میں جو یہ دعوی کیا ہے کہ یہ فنِ حدیث سے نابلد ہیں، اس کی دلیل اور وضاحت یہ ہے کہ یہ صاحب اپنے مقاصد کے لیے ایسی حدیثوں سے بھی استدلال کرنے سے نہیں جھجکتے جن کی سند میں کذاب اور اعلیٰ درجے کے دروغ گو اور جھوٹے راوی ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ صاحب سچے اور جھوٹے راوی کے درمیان امتیاز کرنے کی اہلیت سے قاصر ہیں۔ عبدالرحمان بن عیسی فقیہ نے مجھے یہ بتایا کہ مجھے ان صاحب نے ایک موقع پر یہ کہا تھا کہ حدیث سقیفہ صحیح میں نہیں

ملاحظہ فرمایئے!①

جس آدمی کو اس جیسی مشہور اور متفقہ طور پر صحیح قرار دی جانے والی حدیث کے بارے میں ہی علم نہیں وہ اپنے محدث ہونے کا بلند و بانگ دعوی کیسے کر سکتا ہے؟ اسی طرح ایک دفعہ میرے سامنے انہوں نے یہ کہا کہ مسلم بن یسار کبار صحابہ میں سے تھے میں نے ان سے کہا (خدا کا خوف کریں) ان کا صحابی ہونا تو کسی نے بھی نہیں لیا۔ وہ تو تابعی ہیں۔

صفاتِ باری تعالیٰ میں غلو:

پھر یہ صاحب اپنی عصبیت ہی کی بدولت (خدا تعالیٰ کی صفات کے بارے میں) تشبیہ وتجسیم ② کی جانب جھک گئے۔ انہوں نے حدیث استلقاء میرے پاس لکھ کر بھیجی اور

---

① حدیث سقیفہ کے صحیح میں نہ ہونے کے دو مطلب ہو سکتے۔ (۱)۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں۔ اگر یہی مطلب ہے تو پھر یہ بات اتنی بڑی غلطی نہیں۔ کیونکہ بخاری شریف میں احادیث کی ترتیب ایسی ہے کہ بسا اوقات حدیث پر اچھی خاصی نظر رکھنے والے حضرات کو بھی تگ و دو کے باوجود ایک حدیث بخاری میں نہیں ملتی، اور وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں۔ حالانکہ وہ حدیث بخاری میں موجود ہوتی ہے۔ (۲)۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح کے زمرے میں شامل نہیں۔ اگر علامہ ابن جوزی کا یہی مقصد ہے تو پھر یہ بات واقعتاً غلطی ہے۔ علامہ کا مقصد بظاہر یہی ہے البتہ الفاظ ایسے ہیں کہ جن سے دوسرا مطلب با آسانی نکل سکتا ہے۔

② اہل تجسیم وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم یا جسم کے لوازمات کو ثابت کرتے ہیں۔ یعنی یا تو یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بھی عام مخلوق کی طرح کا جسم ہے۔ یا صراحتاً جسم کا اطلاق تو نہیں کرتے لیکن ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں جن سے جسمیت لازم آتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ کو مخلوق میں معروف معنی میں لینا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے اجزاء ہیں اور کام کرنے کے آلات ہیں، جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ساتھ میں یہ بھی کہا کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا فرما چکے تو چت (گدی کے بل) لیٹ گئے اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ دیا (سبحانہ وتعالیٰ عما یصفون)۔ روایت نقل کرنے کے بعد ان صاحب نے یہ بھی کہا کہ یہ حدیث صحت میں اس پائے کی ہے کہ بخاری و مسلم کو چاہیے تھا کہ اس کو روایت کرتے۔

میں نے ان سے کہا تمہارا ناس ہو! یہ حدیث تو صحیح بھی نہیں ہے (1) بلکہ قبولیت کے کسی بھی درجے میں نہیں۔ نہ تو امام احمد بن حنبلؒ نے اسے تسلیم کیا اور نہ ہی ابوداؤد اور ترمذی نے اور نہ ہی انہوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں جگہ دی اور ایسا ہوتا بھی کیسے کیونکہ اس روایت میں علت اور گڑبڑ ہے جس کی تفصیل میں نے اپنی کتاب "منهاج الوصول الى علم الاصول" میں دے دی ہے۔

اور میں نے ان کے یہ بھی گوش گذار کیا کہ صفات باری تعالیٰ کے متعلق وارد ہونے والی تمام کی تمام احادیث کو میں نے اکٹھا کیا ہے اور ان میں سے صحیح اور غیر صحیح کی تفریق و تمیز بھی کر دی ہے۔ (اس لیے مجھے یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ تمہاری ذکر کردہ روایت کا علمی پایہ کیا ہے۔)۔ اس پر وہ کہنے لگے: میرا یہ مقصود نہیں۔ کیونکہ غیر مقبول حدیث کو بیان کرنے میں دروغ بر گردن راوی ہوتا ہے یعنی ہمیں احتیاط کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا: تمہارا ناس ہو! کیا حق تعالیٰ کے معاملے میں یہ تساہل اور ناانصافی برتی جا رہی ہے کہ اس کو مخلوق پر قیاس کیا جا رہا ہے۔

(گذشتہ حاشیہ) کا مخلوق کے مشابہ ہونا اور محتاج ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ مخلوق کے مشابہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" "اس کی طرح کا سا کوئی نہیں" اور نہ کسی کے محتاج ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے "يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ" "اے لوگوں تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پرواہ سب تعریفوں والا"

(1) علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس روایت کو منکر کہا ہے۔ (۱۵۹ ج ۲۱)

علمِ فقہ میں بے بضاعتی:

(یہ تو علم حدیث میں ان صاحب کا علمی پایہ تھا) اب رہی بات (ایک دوسرے جلیل القدر علم) علم فقہ کی تو اس میدان میں بھی ہمارے موصوف بالکل کورے ہیں اور انہیں کچھ سوجھ بوجھ نہیں۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ان صاحب نے بے شمار ایسی احادیث بیان کیں جن کے بارے میں اہل علم کی رائے ان کے مخالف تھی۔ جب ان سے کہا گیا ہے کہ فقہا کا اجماع خصوصاً خود آپ کا فقہی مذہب و مسلک تو اس کے مخالف ہے تو یہ (جسارت و جرأت سے) کہہ گئے میرے لیے فقہاء کے قول کی پابندی کرنا ضروری نہیں۔ ان کی فقہی بے احتیاطی اور کم علمی کا ایک نمونہ ان کا ایک نکاح کا قصہ بھی ہے جو ہمیں فقیہ ابو طاہر صدر نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''ان صاحب نے ایک آدمی کا نکاح پڑھایا اور ایجاب وقبول میں یہ کہا کہ میں نے اپنے حق وکالت کے ذریعے اپنے فلاں بھائی کی بیٹی سے تمہارا نکاح کیا، فقیہ کہتے ہیں: جب میری اس دولہے سے ملاقات ہوئی جس کا انہوں نے نکاح پڑھایا تھا تو میں نے اس سے کہا تمہارا یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ اس لیے نہ تو وہ عورت تمہاری بیوی ہے اور نہ تم اسکے قریب جا سکتے ہو۔ کیونکہ جن صاحب نے تمہارا نکاح پڑھایا ہے انہوں نے نکاح کا ایجاب کراتے وقت تمہاری ہونے والی بیوی کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ صرف فلاں کی بیٹی کہہ دیا ہے کوئی تعیین نہیں کی، حالانکہ اس فلاں کی تو چار بیٹیاں تھیں۔ اب کیا پتہ کون سی بیٹی کے ساتھ تمہارا نکاح ہوا ہے۔ اس واقعے سے عام لوگوں کو بھی

ان کی فقاہت اور علم کا اندازہ ہو گیا اور انہیں اس بات پر تعجب بھی ہوا۔"

ایک محدث کا علمی لطیفہ:

ان صاحب کے اس نکاح خوانی کے قصے سے مجھے ایک اور قصہ بھی یاد آ گیا۔ ہوا یوں کہ علی بن داؤد محدث ایک دفعہ درس حدیث دے رہے تھے اور ان کے سامنے ایک ہزار کے قریب لوگ حدیث کا سماع کر رہے تھے اس دوران ایک عورت ان سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آ گئی اس نے عرض کیا میں نے اپنی چادر صدقہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی اب کیا کروں؟ علی بن داود نے اس سے پوچھا تم نے وہ چادر کتنے میں خریدی تھی؟ وہ کہنے لگی بائیس درہم میں۔ علی بن داود نے کہا: جاؤ بائیس روزے رکھ لو۔ جب وہ عورت چلی گئی تو یہ کہنے لگے اوہو! ہم سے چوک ہو گئی۔ بخدا! ہم نے تو اسے کفارہ ظہار کا حکم دے دیا (بلکہ حقیقت کے اعتبار سے چوک میں بھی چوک ہو گئی کیونکہ بائیس روزوں کا حکم تو کفارہ ظہار کا بھی نہ تھا۔ وہ اس کو کفارہ ظہار سمجھ بیٹھے۔ اسی لیے امام ترمذی نے فرمایا ہے اور سچ فرمایا ہے "الفقهاء اعلم بمعانی الحادیث" حدیث کے مطالب و مقاصد اور علوم و معارف کو فقہاء بہتر جانتے ہیں۔ ایک دوسرے محدث فقہاء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یا معشر الفقهاء نحن الصیادلة وانتم الاطباء "اے فقہاء کی جماعت ہم لوگ تو پنساری ہیں (جن کے پاس دوائیں تو رکھی ہیں لیکن ان کا استعمال نہیں جانتے) اور تم لوگ طبیب ہو)

بے ادب بے نصیب:

ان صاحب (یعنی عبدالمغیث حنبلی) کی قلت علم کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی امام احمد بن حنبلؒ کی قبر کے سرہانے اپنے لیے قبر کھدوائی۔ میں نے ان سے کہا: آپ کا یہ عمل تین خرابیوں پر مشتمل ہے:

۱۔ قبرستان کی اس زمین میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ کسی بھی شخص کے لیے (کسے باشد) اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ اپنے دفن ہونے کے لیے جگہ خاص کرے یہ تو مسجد کی طرح ہے جو پہلے آجائے گا وہ بیٹھنے کا حقدار ہوگا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کی وفات اور تدفین کو تین سو سال کے قریب کا زمانہ گذر گیا ہے اس دوران ان کی قبر کے آس پاس جگہ خالی تو نہیں رہی۔ لوگ تدفین کرتے رہے ہیں اور آس پاس قبریں بنتی رہی ہیں اور اس قبر کے آس پاس اب بھی بے شمار اوپر تلے قبریں ہیں۔ جس جگہ تم نے قبر کھدوائی ہے وہاں لامحالہ کسی مسلمان کی قبر ہوگی تمہیں اس کو کھولنے اور کھودنے کی ہمت کیسے ہوگئی جبکہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كَسرُ عَظمِ المَيت ككسرہ حياً.

مردہ آدمی کی ہڈی توڑنا بھی ایسے ہی ہے جیسے زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا۔

میری یہ بات سن کر وہ صاحب کہنے لگے میں نے جگہ تو کھودی ہے لیکن مجھے کوئی ہڈی نظر نہیں آئی۔ میں نے کہا (یک نہ شد دو شد) یہی تو مصیبت ہے۔ اس جگہ اتنا طویل عرصہ گذرنے کی وجہ سے ہڈیاں سلامت حالت میں نہ سہی ان کا برادہ اور چورا تو لامحالہ ہوگا اور وہ بھی ظاہر ہے قابل احترام ہے۔ بہر حال تمہارا یہ اقدام کسی طرح بھی درست نہیں۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب تمہیں اس قبر میں دفن کیا جائے گا تو تمہارے پاؤں امام احمدؒ کے سر کے پاس ہونگے کیونکہ تمہارے پاؤں اور امام کے سر کے درمیان سوائے تختی کے اور کوئی حائل اور رکاوٹ نہیں اور ایسا ہونا ظاہر ہے بے ادبی ہے۔ تمہیں پتہ نہیں کہ امام احمدؒ کے جلیل القدر شاگرد مروذیؒ نے یہ وصیت کی تھی کہ مجھے امام کے سامنے دفن کرنا تاکہ میں جیسے زندگی میں ان کے سامنے بیٹھ کر زانوئے تلمذ طے کیا کرتا تھا ایسے ہی مرنے کے بعد بھی اپنے استاد کے قدموں میں جگہ پاؤں۔

بہر حال! میں نے اس طرح دلائل کے ساتھ اپنی بات ان کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے تعصب سے کام لیتے ہوتے اس پر کان نہ دھرا اور اپنی من مانی پہ قائم رہے۔

بے عقلی کا مظاہرہ:

(آپ ان صاحب کی علم حدیث میں کم علمی اور علم فقہ میں بے بضاعتی تو ملاحظہ فرما چکے ہیں اب ان کی سوفہم اور بے عقلی کا بھی مشاہدہ کیجیے)

مجھے فقیہ ابو البقاء محب الدین نے بیان کیا کہ ایک دن حجۃ الاسلام ابن خشاب کے پاس ہم دونوں یعنی میں اور عبدالمغیث حنبلی اکٹھے بیٹھے تھے وہاں ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے کہ ایک صاحب نے عہد رسالت میں پیدل حج کی نذر مان لی، آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الله غنی عن تعذیب هذا نفسه .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات سے غنی اور بے نیاز ہے کہ یہ آدمی اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں ڈالے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اسے اس مصیبت میں ڈالنے سے کوئی سروکار نہیں وہ تو غنی ہے

یہ حدیث سن کر عبدالمغیث صاحب کہنے لگے آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تکلیف دینے سے غنی ہے، حالانکہ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں کتنے ہی احکام کی تکلیف میں مبتلا کیا ہے۔

فقیہ ابوالبقاء کہتے ہیں: ہمیں بہت تعجب ہوا کہ یہ صاحب کیسے ناسمجھ اور بے عقل ہیں کہ انہوں نے اپنے خیال میں تمام شرعی ذمہ داریوں اور احکام کی بجا آوری میں اللہ تعالی کا مفاد اور اس کی غرض کو کارفرما سمجھ لیا ہے (یعنی اللہ گویا ہمیں احکامات دے کر نعوذ باللہ کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں یا اللہ کو ہمارے نماز روزے کی ضرورت ہے۔

(سبحانہ وتعالی عما یصفون)

آمدم برسرِ مطلب:

(باقی شواہد ایک طرف) ان کی علمی بے مائیگی، ناسمجھی اور عامیانہ تعصب کے اظہار کے لیے ایک ہی مثال کافی ہے اور وہ یہ کہ ان صاحب نے سبط پیمبر صحابی رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں یزید کی طرفداری کی اور اس بارے میں ایک کتاب بھی لکھ دی جس میں یزید کی حمایت وتایید کا بیڑا اٹھایا اور مجھ سے نالاں وشکوہ کناں ہوئے کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تائید وحمایت کیوں کی اور یزید کو برا بھلا کیوں کہا (گویا اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے)

ہمارے شیخ ابوالحسن ابن زاغونی نے نقل کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

ولو	انی	بلیت	بهاشمی
خولته	بنو	عبد	المدینی

صبرت علی عد اوته ولکن

تعالوا فانظروا بمن ابتلانی

ترجمہ: اگر میری آزمائش کسی ایسے شخص سے ہوتی جو بنو ہاشم سے ہے اور اس کا ننھیال بنو عبد مناف ہے، و میں اس کی دشمنی پر صبر کر لیتا، لیکن آؤ دیکھو! تم نے مجھے کس کی آزمائش میں ڈالا ہے۔

لعنتِ یزید کا مسئلہ:

(جب عبدالمغیث حنبلی کی طرف سے حمایت یزید میں رسالہ آیا اور جن صاحب نے میرے سے اس کے جواب کا مطالبہ کیا تھا انہوں نے عبدالمغیث کے بارے میں مذکورہ باتیں سنیں تو کہنے لگے) آپ ان صاحب کو چھوڑیئے اور مجھے ہمارے زیر بحث اصل معاملے یعنی یزید کی مذمت کے حوالے سے صحیح موقف اور درست بات بتایئے۔ چنانچہ میں نے ان کی طلب کو دیکھتے ہوئے عرض کیا:

اگر یہ صاحب صرف اپنی بات میں اتنا ہی موقف اپناتے کہ ہمیں کسی کی مذمت اور لعن طعن میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے تو یہ بات ہمیں بھی تسلیم ہے (کیوں کہ اس کے علاوہ کام بہت ہیں، جو باعث اجر وثواب بھی ہیں) اگرچہ بعض سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے میرے قرآنی نسخے سے لا اله الا الله کو نکالنا تو مجھے گوارا ہو سکتا ہے لیکن میں اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اس میں سے خدا کی طرف سے ابلیس پر ہونے والی لعنت نکالی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ ان صاحب کی طرف سے اگر محض اتنی بات ہوتی کہ چھوڑو بس! ہمیں اپنا وقت کسی کے لعن طعن اور مذمت میں ضائع نہیں کرنا چاہیے، تب تو برداشت ہو سکتی تھی، لیکن انہوں نے اس سے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے الٹا یزید کی

مذمت اور اس پر لعنت کو جائز کہنے والوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اس طرح کرنا قابل برداشت نہیں ہوسکتا یہ تو نری کھلی کھلی جہالت اور بے علمی ہے کیونکہ قابل لعنت آدمی پر لعنت کرنے اور قابل مذمت آدمی کی مذمت کرنے کی بڑے بڑے علماء نے اجازت دی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ اور مذمتِ یزید:

ان علماء میں امام احمد بن حنبلؒ کا نام بھی ہے۔ بلکہ یزید کے بارے میں تو امام احمدؒ نے لعنت سے بڑھ کر بھی بات ذکر فرمائی ہے۔ امام احمدؒ کے شاگرد مہنا بن یحیٰ نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام سے یزید کے بارے میں استفسار کیا تو وہ فرمانے لگے:

هو الذی فعل بالمدينة مافعل.

''مدینے میں سارا اسی کا تو کیا کرایا تھا''

میں نے عرض کیا: کیا کیا؟ امام نے فرمایا اس نے مدینے میں لوٹ مار مچائی تھی (یہ اشارہ ہے مشہور واقعے وقعہ حرہ کی طرف جس کے بارے میں تفصیل آگے آئے گی)

مہنا کہتے ہیں میں نے پھر امام سے پوچھا کیا ہم یزید سے روایت حدیث کر سکتے ہیں؟

امام احمد نے بڑی سختی سے فرمایا:

اس سے کوئی حدیث روایت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کے واسطے سے منقول کوئی روایت لکھنے کی کسی کو گنجائش ہے۔

مہنا کہتے ہیں میں نے عرض کیا:

جب مدینے کا یہ قصہ ہوا تو اس کے ساتھ کون لوگ تھے؟ تو امام احمد نے فرمایا اہل شام اس کے ساتھ تھے۔

اسی طرح قاضی ابویعلی نے اپنی کتاب المعتمد فی الوصول میں اپنی سند کے ساتھ امام احمد کے صاحبزادے صالح بن احمد سے روایت کیا ہے۔ صالح فرماتے ہیں میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا:

لوگ یہ مشہور کرتے ہیں کہ ہم یزید کے حمایتی اور طرف دار ہیں؟

والد صاحب نے یہ سن کر فرمایا:

میرے بیٹے! کیا اللہ پر ایمان رکھنے والا کوئی آدمی یزید کی حمایت وطرف داری کر سکتا ہے؟

میں نے عرض کیا پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟

والد صاحب نے فرمایا تم نے مجھے کبھی کسی چیز پر لعنت کرتے دیکھا ہے؟ (یعنی باوجودیکہ بہت سی اشیاء واقعتاً لعنت کے قابل ہیں لیکن میں ان پر لعنت نہیں کرتا چنانچہ میرے لعنت نہ کرنے سے ان چیزوں کا قابل لعنت نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا اسی طرح ہمارے زیر نظر معاملہ بھی ہے)

پھر امام احمد نے فرمایا:

جس شخص پر اللہ نے خود قرآن میں لعنت کر دی ہے وہ ملعون کیوں نہ ہوگا، اس پر لعنت کیوں نہ کی جائے؟ میں نے عرض کیا اللہ نے قرآن میں کس جگہ یزید پر لعنت کی ہے؟ امام احمد نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوافى الارض وتقطعواارحامكم اولئك الذين لعنهم الله فاصمهم واعمى ابصارهم. (سورۃ محمد آیت ۲۲)

تو پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو
زمین میں فساد مچاؤ گے اور اپنے رشتے ناطے توڑ دو گے یہی وہ
لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت اور ان کو بہرا اور آنکھوں سے
اندھا کر دیا ہے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ)

قاضی ابویعلی نے لعنت کے مستحق لوگوں پر ایک پوری کتاب لکھی ہے اور
ان میں یزید کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں ابویعلی یہ بھی فرماتے ہیں:

الممتنع من ذلک اما ان یکون غیر عالم بجواز
ذلک او منافقاً یرید ان یوھم بذلک.

یزید پر لعنت کرنے سے دو ہی آدمی اجتناب اور احتراز کرتے ہیں۔ یا
تو وہ آدمی جسے اس کے جائز ہونے کا علم نہ ہو یا وہ آدمی جو منافق ہو
اور ایسا کرنے سے اس کے پیش نظر یہ ہو کہ وہ لوگوں کو چکر دے۔

بعض اوقات جاہل قسم کے لوگ لعنت یزید سے روکنے کے لیے اس
حدیث کا بھی سہارا لیتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا ''المومن لا یکون لعاناً''
کہ مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ لیکن (اس کا یہ مطلب نہیں کہ لعنت سرے سے
جائز ہی نہیں کیونکہ یہ بات احادیث کے خلاف ہے جیسا کہ ابھی آگے آ رہا ہے بلکہ)
اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ لعنت کے مستحق نہیں ان پر لعنت کرنا کسی مومن
کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ (علامہ صنعانی نے سبل السلام میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ
آدمی ہے جو بکثرت لعن طعن کرتا ہو جیسا کہ فعال کا لفظ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے، حاشیہ)
یہ ساری باتیں قاضی ابوالحسین کے خود ہاتھ کی لکھی ہوئی اور تصنیف کی ہیں۔

احادیث سے لعنت کا جواز:

واضح رہے کہ حدیث میں ایسے لوگوں پر لعنت آئی ہے جن کے عمل یزید کے کرتوتوں کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

لعن اللہ الواشمات والمتوشمات والمتنصمات.

اللہ لعنت کرے جسم گوندنے اور گوندوانے والی عورتوں پر اور لعنت کرے اپنے چہرے کے بال اکھاڑنے والی عورتوں پر اور لعنت کرے اپنے دانتوں میں محض زینت کے حصول کی خاطر فاصلہ بنوانے والی عورتوں پر۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ''لعن اللہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة'' کے الفاظ آتے ہیں۔ اس طرح امام احمدؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی ذی روح چیز کو نشانہ بنانے والے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔

یہ تمام کی تمام احادیث ایسی ہیں جن کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ان کو روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لعن اللہ المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء .

عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر خدا کی لعنت ہو۔

اور حضرت ابو جحیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی علیہ السلام نے جسم گوندنے والیوں اور جسم گوندوانے والی عورتوں پر، سود کھانے والوں اور سود کھلانے والوں پر اور تصویر سازی کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے اور اس کے گواہوں اور اس کی لکھت پڑھت کرنے والے، تمام لوگوں پر لعنت فرمائی۔

اس طرح حضرت ابن عباس نے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

ملعون ہے وہ آدمی جو اپنے باپ کو برا بھلا کہے، ملعون ہے وہ آدمی جو اپنی ماں کو گالی دے، ملعون ہے وہ آدمی جو غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے، ملعون ہے وہ آدمی جو زمین کی حدود میں ردو بدل کرے، ملعون ہے وہ آدمی جو کسی اندھے کو راستہ سے بھٹکائے، ملعون ہے وہ آدمی جو جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اور ملعون ہے وہ آدمی جو سدومیت (لواطت) کا عمل کرے۔

(مسند احمد)

اس طرح امام احمدؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

شراب دس طرح کی لعنت کی موجب و مستحق ہے۔

۱۔ خود شراب پر لعنت ہے ۲۔ اس کے پینے والے پر لعنت ۳۔ اس کے پلانے والے پر لعنت ۴۔ اس کے فروخت کرنے والے پر لعنت ۵۔ اس کے خریدنے والے پر لعنت ۶۔ اس کے

نچوڑنے والے پر لعنت ۷۔اس کے نچڑوانے والے پر لعنت
۸۔اس کو اٹھانے والے پر لعنت ۹۔جس کی طرف اٹھا کر لے
جائی جائے اس پر لعنت ۱۰۔اس کی کمائی کھانے والے
پر لعنت۔(حوالہ بالا)

واضح رہے کہ اس طرح صریح الفاظ میں لعنت والی احادیث بے شمار ہیں جیسے لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے آقاؤں کے علاوہ دیگر لوگوں سے رشتہ ولاء استوار کرے (مسند احمد) اور لعنت ہو قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر وغیرہ وغیرہ۔ (ان احادیث کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنے اتنے گناہوں پر لعنت ہو سکتی ہے تو یزید پر کیوں نہیں ہو سکتی؟)

زیر نظر رسالے کی ترتیب:

(لعنت کے جواز کے متعلق تمہیدی باتیں عرض کرنے اور ان صاحب یعنی عبدالمغیث حنبلی کا تعارف کرانے کے بعد اب ہم اپنے اصل مقصود پر آتے ہیں)۔ پیش آمدہ سطور میں ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے یزید کے ذاتی حالات اس کی حکومت اور دور حکومت میں رونما ہونے والے واقعات وسانحات کا تذکرہ ہوگا جن سے انداز ہوگا کہ یزید کی مذمت کی جانی چاہیے۔یہ حالات وواقعات، ابوبکر بن ابی الدنیا، طبقات ابن سعد اور امام ابوجعفر طبری وغیرہ کی ذکر کردہ روایات سے لیے گئے ہیں۔اولاً یہ حالات ہونگے اور پھر اس کے بعد ہمارے موصوف کی طرف سے یزید کی حمایت ونصرت اور تعریف وتوصیف میں پیش کیے گئے دلائل کا جائزہ لیا جائے گا۔(واللہ المستعان)

ویسے ایک بات قابل غور ہے کہ آدمی ہمیشہ اسی کی خیر خواہی اور حمایت

کرتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے۔ان صاحب نے یزید کی خیر خواہی کی ہے جو ان کی محبت کی آئینہ دار ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:''المرء من احب'' آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے۔
(اللہ ہمیں نیک لوگوں محبت نصیب فرمائے اور برے لوگوں کی محبت سے بچائے۔آمین)

یزید کی جانشینی کی مہم:

سن ۵۶ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے بعد یزید کی بیعت کا کہا اور اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کوفہ میں جا کر یزید کی بیعت کے لیے کام کریں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک تحریر طلب کی جس میں ان کی موت کی صورت میں یزید کی ولی عہدی اور جانشینی کا ذکر پڑھ کر سنایا گیا۔
ابن سعد نے اپنی طبقات میں نقل کیا ہے کہ:

> حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا میں ایک بات کرنے والا ہوں تم اس کی تردید اور انکار نہ کرنا اور اُنہیں سخت ڈرایا دھمکایا۔پھر انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور یہ باور کرایا کہ ان مذکورہ لوگوں نے یزید کی جانشینی قبول کرلی ہے۔اس موقع پر یہ حضرات خاموش رہے نہ انہوں نے اقرار کیا اور نہ ہی (ضرر کے اندیشے سے واضح) انکار کیا۔

اسی طرح زہریؒ سے مروی ہے کہ:

> جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے

کا ارادہ کیا تو اس بیعت کے مطالبے کو مدینہ منورہ بھی بھیجا لیکن اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہم مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ آئے اور مکہ میں آ کر انہوں نے ان حضرات کو طلب کیا اور پھر منبر پر چڑھے۔ ان حضرات کا عذر بیان کیا اور لوگوں کو یہ بتایا کہ انہوں نے (گویا) بیعت کر لی ہے۔ اس موقع پر شام کے کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے کہا آپ ہمیں اجازت دیں ہم ان کی (معاذاللہ) گردنیں اڑا دیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا میں تمہارے منہ سے یہ بات دوبارہ ہرگز نہ سنوں۔

یزید کی ولی عہدی اور نصائح:

جب سن ساٹھ ہجری شروع ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن زیاد کے ہمراہ آنے والے وفد سے اپنے بیٹے یزید کے لیے باقاعدہ بیعت لی اور اپنے مرض الوفات میں یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور خود یزید کو یہ نصیحت کی:

میرے بیٹے! میں نے تمہارے لیے تمام امور درست کر دیئے ہیں بس اب مجھے تمہاری حکومت کے بارے میں چار آدمیوں کے علاوہ کسی سے خدشہ نہیں اور وہ چار آدمی یہ ہیں ا۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہ ۲۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۳۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ۴۔ عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ ان چاروں میں سے عبداللہ بن عمر تو ایسے آدمی ہیں جو عبادت ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ جب

دیگرلوگ بیعت کرلیں گے تو یہ بھی کرلیں گے۔ باقی رہے حسین تو ان کے بارے میں یہ قوی گمان ہے کہ اہل عراق انہیں خروج پر آمادہ کیے بغیر نہیں رہنے دیں گے۔ بہر حال اگر وہ تمہارے خلاف خروج کریں اور تمہیں ان پر غلبہ اور قابو حاصل ہو جائے تو ان سے درگزر کرنا کیونکہ ان کی رشتہ داری بہت قریب کی ہے ۔اسکے علاوہ تیسرے عبدالرحمان بن ابوبکر ہیں لیکن ان کا فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ان کو عورتوں اور غیر ضروری مشاغل کے علاوہ کوئی اور کام نہیں۔ان کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ان کے دوسرے ساتھیوں نے بیعت کرلی تو وہ بھی کرلیں گے۔بس ان چاروں میں زیادہ خطرناک ابن زبیر ہے ۔شیر کی سی گھات لگائے گا، اور لومڑی کی طرح ہوشیاری سے چکر دے گا۔اس کو جو نہی فرصت ملے گی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔اگر یہ ایسا کام کرے اور تم اس پر غلبہ پالو تو پھر اس کے ساتھ نرمی نہ کرنا بلکہ اس کو پاش پاش کردینا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

لو لاھوایی فی یزید لابصرت رشدی.

اگر میری یزید کے ساتھ محبت نہ ہوتی تو میں اپنی راہنمائی کی چیز دیکھتا۔

(نوٹ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت ایسی روایات کے بارے میں اصولی بات تنبیہ۔کے عنوان میں صفحہ:41 پر ملاحظہ فرمائیں۔)

یزید کی تخت نشینی اور بیعت کا مطالبہ:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو یزید اس وقت دار الحکومت میں موجود نہیں تھا۔ جب وہ آیا تو اس کی بیعت کی گئی۔ اس موقع پر اس نے اپنے مدینہ کے گورنر (ولید) کو خط لکھا کہ حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے سختی کے ساتھ بیعت کا مطالبہ کرو۔ جب تک بیعت نہ کرلیں تب تک کوئی رخصت اور چھوٹ نہیں۔ ولید نے یہ حکم نامہ پہنچتے ہی مروان کو بلا بھیجا اور اس سے اس بارے میں مشورہ کیا مروان نے کہا میرا خیال یہ ہے تم ابھی فوراً ان لوگوں کو بلاؤ اور ان سے بیعت کا مطالبہ کرو۔ اگر بیعت کرلیں تو فبہا ورنہ ان کے سر تن سے جدا کردو۔ چنانچہ ولید نے سب سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: سب لوگوں کو بلاؤ اور ان میں ہمیں بھی بلاؤ میں تنہائی مین اور چھپ کر بیعت نہیں کرونگا۔ اتنی بات کہہ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے آئے۔ ان کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس طرح کا جواب دیا کہ جب دیگر لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کرلوں گا اور اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوگئے۔ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو کل کا وعدہ دیا اور خود رات ہی کو مکہ چلے گئے۔ اس موقع پر حضرت ابن زبیر کے بھائی عمرو بن زبیر نے ان سے کہا کہ یزید نے اس بات کی قسم اٹھائی ہے کہ تمہاری طرف سے اسے کچھ بھی قبول نہیں یہاں تک کہ تمہیں چاندی کی بیڑی میں باندھ کر لایا جائے لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات کو اہمیت نہ دی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کو روانگی:

اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر اپنے اہل خانہ سمیت مکہ مکرمہ

آ گئے۔ دوسری طرف اہل کوفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آیئے اور یہ بھی کہا کہ ہمارے پاس ایک لاکھ آدمی آپ کی حمایت کے لیے موجود ہے۔ یونس بن اسحاق سے منقول ہے کہ جب کوفہ والوں کو اس بات کا علم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے ہیں اور انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے تو اہل کوفہ کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا اور سلمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ اور شہر کے بڑے بڑے شرفاء نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بہت سے خط لکھے اور یہ لکھا کہ ہم یزید کی بیعت ختم کر دیں گے۔ ان لوگوں نے خط میں یہ لکھا لوگ آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ آپ کے ذریعے ہمیں حق پر جمع فرمائیں گے اور آپ کے واسطے سے ہم لوگ ظلم سے نجات پائیں گے۔ آپ یزید کے مقابلے میں امارت و خلافت کے زیادہ مستحق اور اہل ہیں۔ یزید نے تو پوری امت کا حق غصب کیا ہے اور امت کے بہترین افراد کو قتل کیا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو طلب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ آپ کوفہ جاؤ اور حالات دیکھو اگر وہاں لوگوں کا اجتماع اور اتفاق معلوم ہو تو مجھے مطلع کرو۔

اہل سیر و تاریخ لکھتے ہیں جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو کوفے بھیجا تو یہ خبر یزید کو پہنچ گئی اس نے فوراً کوفہ کا گورنر عبید اللہ بن زیاد کو بنا دیا اور اسے خط لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حسین عراق کو چلے ہیں اب تم محتاط ہو جاؤ اور اپنے جاسوس اور مسلح دستے متعین کر دو اور خوب چوکنا رہو ہلکے سے گماں پر بھی بندش لگاؤ اور اور بدعنوانی پر گرفت کرو۔

دوسری طرف مسلم بن عقیل رحمہ اللہ نے کوفہ پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تیرہ ہزار آدمیوں نے میری بیعت کر لی ہے بس اب آپ جلدی کیجئے۔ حضرت

حسین رضی اللہ عنہ یہ خبر پاتے ہی چل پڑے۔ادھر عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل رح کو شہید کر دیا۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے سے پہلے آگے آگے قیس بن مسہر کو حضرت مسلم بن عقیل کی طرف ان کی شہادت کی خبر ملنے سے قبل قاصد بنا کر بھیجا۔ابن زیاد نے قیس بن مسہر کو گرفتار کرلیا اور ان سے کہا تم لوگوں کے سامنے آؤ اور اس کذاب بن کذاب جھوٹے باپ کے جھوٹے بیٹے یعنی حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہو۔قیس بن مسہر منبر پر چڑھے اور انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

اے لوگو! میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پتھریلی زمین پر چھوڑ کر آرہا ہوں اور میں ان کی طرف سے تمہارے لیے قاصد ہوں جو مدد طلب کرنے آیا ہوں۔

عبیداللہ بن زیاد نے یہ بات سن کر حکم دیا کہ ان کو محل سے نیچے گرا دو چنانچہ انہوں نے اس طرح جان سپردِ آفریں کی۔

میدانِ کارزار میں:

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن ان کے ساتھ بنو عقیل کے پانچ آدمی تھے جنہوں نے یہ عرض کیا آپ واپس جائیں گے جب کہ ہمارے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے۔اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سفر شروع کیا، یہاں تک کہ انہیں کوفہ کا لشکر ملا۔آپ نے ان سے فرمایا میں تو تمہارے خطوں کی وجہ سے ہی تمہارے پاس آیا ہوں انہوں نے جواباً کہا: ہمیں نہیں پتہ آپ کیا کہتے ہیں۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس موقع پر کربلا کی جانب روانہ ہوئے۔اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے قافلے میں پینتالیس گھڑسوار اور سو پیادہ لوگ تھے۔

عبیداللہ بن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملے کی ذمہ داری عمر بن سعد کو سونپی۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بات کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے تین باتیں رکھیں:

(۱) مجھے چھوڑ دو میں اسلامی سرحدوں پر موجود فوج کے پاس چلا جاؤں۔

(۲) مجھے جہاں سے میں آیا ہوں یعنی مکہ وہاں جانے دو۔

(۳) مجھے خود یزید کے پاس جانے دو۔

عمر بن سعد نے یہ بات عبیداللہ بن زیاد کے سامنے رکھی تو اس نے کہا: نہیں بالکل نہیں اور کوئی عزت و شرف کا معاملہ نہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدے اور اگر وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا تو پھر جنگ کرو۔ اگر جنگ میں وہ مارا جائے تو گھوڑوں سے اس کا سینہ روندو اور یہ شعر پڑھو:

الان حین تعلقته حبالنا

یرجو الخلاص ولات حین مناص

اب جب کہ وہ ہمارے شکنجے میں پھس گیا ہے، نکلنے کی توقع رکھتا ہے جبکہ چھٹکارے کا وقت گذر چکا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر دی گئی تو انہوں نے فرمایا میں تو کبھی اپنا ہاتھ (یزید کے گورنر) عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھ میں دینے والا نہیں۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

رات کے اندھیرے میں تم منتشر ہو جاؤ یعنی جو جہاں جانا چاہے چلا جائے اور مجھے بس اکیلا چھوڑ دو۔ ساتھیوں نے کہا بخدا! یہ نہیں ہو سکتا ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتے جو کچھ تکلیف آپ

کو پہنچے گی وہ ہمیں بھی پہنچے گی۔

اس دوران کوفی لشکر پانی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کے درمیان حائل ہوگیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! کیا تمہارے لیے مجھے قتل کرنا روا ہے؟ کیا میرا خون تمہارے لیے حلال ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا یعنی نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ اور کیا میں تمہارے نبی کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کا بیٹا نہیں ہوں؟ اور کیا تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم نہیں جس میں انہوں میرے اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں؟ اگر تم ان سب باتوں کو جانتے ہو تو ٹھیک، ورنہ جابر بن عبداللہ، ابوسعید اور زید بن ارقم (رضی اللہ عنہم) سے پوچھ لو۔

یہ باتیں سن کر شمر نے کہا اگر مجھے یہ سب باتیں معلوم بھی ہوں تب بھی میں ان لوگوں میں سے ہوں جو پورے پورے داخل اسلام ہو کر نہیں بلکہ ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں (یعنی میں تو بے پیندے کا لوٹا اور مفاد پرست آدمی ہوں جہاں سے مفاد پورا ہوتا نظر آئے اسی کے ساتھ ہوں۔)

اس موقع پر عمر بن سعد نے سب سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر پر تیر چلایا۔ پھر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ لڑائی کے لیے یہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے:

انا علی بن الحسین بن علی
نحن وبیت اللہ اولی بالنبی
من شمر وعمر و وابن الدعی

میں علی بن حسین ہوں، ہم لوگ رب کعبہ کی قسم شمر، عمر اور ابن دعی ①
کے مقابلے میں نبی ﷺ کے زیادہ قریب اور زیادہ حقدار ہیں
مخالف لشکر کے ایک آدمی نے ان کو نیزہ مارا اور شہید کردیا۔ یہ علی اکبر کے نام
سے معروف ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک بچہ آپ کی گود میں آکر
بیٹھا۔ ادھر سے ایک آدمی نے تیر مارا تو وہ بچہ اسی وقت موت کی آغوش میں چلا گیا۔

نواسہ رسول ﷺ کی المناک شہادت:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے پانی مانگا جب پانی لایا گیا اور آپ پینے
لگے تو حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے دہن مبارک پر لگا اور آپ اپنے ہاتھ سے
خون صاف کرنے لگے۔ اسکے بعد یکے بعد دیگرے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ اور
ساتھی شہید ہوتے گئے یہاں تک کہ مردوں میں سے صرف آپ اکیلے بچ گئے۔ اور
آپ مسلسل لڑتے رہے یہاں تک کہ زرعہ بن شریک نے آپ کے کندھے پر وار کیا
اور ایک دوسرے آدمی نے دوسرے کندھے پر وار کیا۔ سنان بن انس نے
آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے حلق سے نیچے ہنسلی کی ہڈی پر نیزہ مارا پھر دوسرا نیزہ
آپ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا جس سے آپ رضی اللہ عنہ نیچے گر گئے وہ (بدبخت) بھی نیچے اُترا اور

① دعی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مشتبہ النسب ہو۔ ابن زیاد کو ابن دعی اس لیے کہتے تھے
کہ اس کے والد زیاد کا نسب مختلف فیہ تھا کیونکہ وہ ایک ایسی باندی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جس
کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ کا تعلق رہا تھا یہ ایک قسم کا
نکاح ہوتا تھا۔ ایک عرصہ تک اس کا نسب گمنامی میں رہا، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس
کا نسب حضرت ابوسفیانؓ سے باقاعدہ ثابت مانا اور انہیں اپنا بھائی قرار دیا۔ (مزید تفصیل کیلئے
دیکھیے حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق)

آپ رضی اللہ عنہ کو ذبح کیا اور آپ رضی اللہ عنہ سرتن سے جدا کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر خولی بن ولید نے جدا کیا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جسم پر ۳۳ گہرے زخم تھے اور آپ کے کپڑوں پر ایک سو دس کے قریب تیروں کی وجہ سے سوراخ تھے۔

اس کے بعد ان (بدبختوں) نے آپ کے کپڑے اور مال و متاع لوٹا، آپ کی تلوار قلافس نہشی نے لی، آپ کے کپڑے بحر بن کعب نے اتارے اور (ظالم) نے آپ کو بے لباس کر دیا، آپ کی چادر پر قیس بن اشعث نے قبضہ کیا اور آپ کا عمامہ اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ بنت حسین کی اوڑھنی جابر بن یزید نے اتاری اور ایک دوسرے (بدبخت) نے ان کا زیور لیا۔ اس کے بعد عمر نے یہ اعلان کیا کہ جو حسین کا سر لائے گا اسے ایک ہزار درہم انعام ملے گا، پھر اس نے کہا حسین کے جسم کو اپنے گھوڑے کے سموں سے کون روندے گا؟ یہ سن کر بہت سارے (بدبخت) گھوڑے لے کر دوڑ پڑے اور آپ کی کمر مبارک کو کچل ڈالا۔ عمر نے آپ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس بھیجا اور عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لیا۔ جب یہ لوگ شہداء کے پاس سے گذرے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہما کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے:

یامحمداہ! یامحمداہ! ①

هذا حسين بالعراء مزمل بالدماء مقطع الاعضاء

یامحمداہ!

---

① یامحمداہ! یامحمداہ! ۔ نبوت کے جوامع الکلم اور بابِ علم کے خون سے نشوونما پانے والی اس فصیحہ کے ان الفاظ کا ترجمہ ممکن نہیں، زبان و قلم بے بس ہیں۔ قریب قریب مفہوم کچھ یوں ہے: ہائے نانا! آ کے دیکھو تو سہی کیا قیامت بیت گئی۔

وبنا تک سبایا وذریتک قتلی تسفی علیهم الصبا

یامحمداه! یامحمداه!

''یہ آپ کا حسین خون سے لت پت بے گوروکفن پڑا ہے، جسم بوٹی بوٹی ہو چکا ہے۔ یامحمداہ، آپ کی بیٹیاں قیدی بن چکی ہیں۔ آپ کی ذریت اور آل اولاد مقتول پڑی ہے اور ہوا ان پر خاک اڑا اڑا کر ریت ومٹی کے کفن دے رہی ہے''۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ سن کر اپنے پرائے سب ہی رو پڑے۔

عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو پہلے کوفہ میں گھمایا جائے اور پھر اس کو سولی دی جائے۔ زر بن حبیش کہتے ہیں سولی کی لکڑی پر سب سے پہلے چڑھنے والا سر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مشہور تابعی حضرت ابن سیرینؒ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا اور اسے ایک تھال میں رکھا گیا تو عبیداللہ بن زیاد اپنی چھڑی سے اس کو ٹھوکریں مارنے اور کریدنے لگا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے حسن وجمال کے بارے کوئی نازیبا کلمہ کہا۔ اس موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حضرت حسین سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے''۔

اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کے بالوں میں وسمہ رنگ لگا تھا یعنی سیاہی مائل رنگ سے رنگے ہوئے تھے (صحیح بخاری)۔

ایک دوسری روایت میں علی بن زیدؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

''جب ابن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک

لایا گیا تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ ابن زیاد اپنے ہاتھ میں ایک چھڑی لیے آپ کے دانتوں کو کرید رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا مکھڑے تو اچھے تھے اسکے، میں نے اس سے کہا بخدا! میں تیرے لیے ایک ناگوار بات کرتا ہوں ۔میں نے رسول اللہ ﷺ کو تیری اس چھڑی والی جگہ یعنی حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ہونٹوں اور دانتوں کا بوسہ لیتے دیکھا ہے''۔(معجم کبیر، مجمع الزوائد، بزار، نے ثقہ راویوں پر مشتمل سند کے ساتھ یہ واقعہ روایت کیا ہے۔حاشیہ)

حضرت سعد بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عمرو بن سہیل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ دونوں عبیداللہ بن زیاد کے پاس آئے اس وقت ابن زیاد اپنی چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ناک اور آنکھوں پر مار رہا تھا اور اس سے وہ آپ رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک پر کچو کے لگا رہا تھا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا:

''اپنی چھڑی ہٹا لے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہونٹ بالکل اسی جگہ پر رکھے ہوئے تھے جہاں تیری چھڑی ہے''۔

ابن زیاد نے یہ سن کر صحابی رسول سے کہا تو بڈھا ہے، سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل ٹھکانے نہیں ہے (اس لیے (نعوذ باللہ) ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے) حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے ایک اور واقعہ سناتا ہوں جو تیرے لیے اس سے بھی زیادہ سخت اور شاق ہوگا:

''میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہوا ہے کہ آپ نے

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی بائیں ران پر بٹھایا، پھر آپ نے ان دونوں کے نرم تالو پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

اللهم انی استودعک اياهم وصالح المومنين

(طبرانی)

''اے اللہ میں اپنی اس امانت کو تیرے اور نیک مسلمانوں کے حوالے کرتا ہوں''

(اے ابن زیاد) اب تم دیکھ لو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کے ساتھ کیا کیا ہے؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مکالمہ:

ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ ازد قبیلے کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور آپ کے بچے، عورتیں اور بہنیں ابن زیاد کے پاس آئیں تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے جسم پر معمولی اور گھٹیا قسم کے کپڑے تھے جن کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جا رہی تھیں اور عورتیں ان کے آس پاس جمع تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مطلق جواب نہ دیا یہاں تک کہ اس نے یہ بات تین دفعہ دہرائی اور تینوں دفعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بالکل جواب نہ دیا۔ اتنے میں کسی عورت نے کہا یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی زینب ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد نے کہا:

شکر ہے اس اللہ کا جس نے تمہیں رسوائی دی، تمہیں قتل کیا اور تمہاری باتوں کو جھوٹا ثابت کیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا:

الحمد للہ الذی اکرمنابمحمد وطھرنا تطھیرا

لاماتقول انما یفتضح الفاسق ویکذب الفاجر

شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عزت بخشی اور ہمیں (اعمال واخلاق کی) پاکیزگی عطا فرمائی۔ تو غلط کہتا ہے رسوا تو وہ ہوتا ہے جو فاسق اور خدا کا نافرمان ہو اور جھوٹا وہ ہوتا ہے جو خدا سے بغاوت کرے۔

پھر ابن زیاد نے کہا: اپنے گھر والوں کے ساتھ خدا کی کرنی کیسی لگی؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا:۔

کتب علیھم القتل فبرزوا الی مضاجعھم وسیجمع اللہ بینک وبینھم فتتحا کمون عندہ.

ان کے مقدر میں شہادت لکھی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی اپنی منزل کو سدھار گئے۔ اب اللہ تمہیں اوران کو اپنی عدالت میں جمع کرے گا وہاں اس کے دربار میں تمہارا فیصلہ ہوگا۔

ابن ابی الدنیا نقل کرتے ہیں حمید بن مسلمؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زیاد نے واقعہ کربلا کے بعد ہم لوگوں سے خطاب کیا اور اس میں یہ کہا:

شکر ہے اس خدا کا جس نے حق اور اہل حق کو غلبہ دیا اور امیر المومنین (یزید) اور اسکے گروہ کو مدد سے نوازا اور کذاب بن کذاب جھوٹے باپ کے جھوٹے بیٹے (یعنی حسین بن علی) اور اس کے حامیوں اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

اسی دوران عبداللہ بن عفیف ازدیؒ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ابن زیاد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابن مرجانہ! کذاب بن کذاب اور جھوٹوں کا سردار تو، تُو ہے اور تیرا باپ ہے اور وہ شخص ہے جس نے تجھے گورنر بنایا (یعنی یزید)۔

جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبر پہنچی تو اتنا روئے کہ آپ کے شانے پھڑکنے لگے اور آپ نے فرمایا:۔

واذُلّاه لامة قتل ابن دعيها ابن نبيها.

اس امت کی پستی کا بھی کیا ٹھکانہ ہے جس کے ابن دعی نے ابن نبی کو قتل کر دیا۔ (یعنی مجہول النسب زادے نے نبی زادے کو قتل کر دیا)

اور حضرت ربیع بن خثیمؒ نے فرمایا:

انہوں نے ایسے بچوں کو قتل کیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے آتے تو ان بچوں کو گلے سے لگاتے۔

اوپر مذکور سارے واقعات اور کاروائیوں کے بعد ابن زیاد نے زحر بن قیس کو بلایا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے سارے ساتھیوں کے سر دے کر اسے یزید کے دربار میں بھیجا۔ اس کے بعد یزید نے یہ پیغام بھیجا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا مال ومتاع اور بچے کھچے اہل خانہ کو بھی میرے ہاں پہنچاؤ۔

ابو الوصنی سے مروی ہے کہ جس اونٹ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور انکے رفقاء کے سروں کو رکھ کر لے جایا گیا وہ اونٹ جب ذبح کیا گیا تو وہ لوگ اس کا گوشت نہ کھا

سکے کیونکہ وہ ایلوے سے زیادہ کڑوا تھا۔

جب یہ سر یزید کے دربار میں پہنچے تو اس نے مجلس قائم کی اور شام کے بڑے بڑے معزز اور معتبر لوگوں کو بلایا اور انہیں اپنے پاس بٹھایا پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو اپنے سامنے رکھا اور چھڑی سے ان کے منہ پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ میں یہ شعر کہہ رہا تھا:

نفلقن هاما من رجال اعزة علينا وهم كانوا اعق واظلما.

''ہم اپنے مقابلے پہ آنے والے لوگوں کی کھوپڑیوں کو پھاڑ دیتے ہیں۔ درانحالیکہ وہ نافرمان اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔'' (معجم کبیر، مجمع الزوائد)

ابن ذوئب خزاعی کی روایت میں بھی یہ قصہ بعینہ مذکور ہے۔ اور ابن ابی الدنیا نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے:

میں اس وقت یزید کے پاس تھا جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا۔ یزید ایک نیزے یا نرکل سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ ہی مذکورہ بالا شعر پڑھ رہا تھا۔ حضرت زید کہتے ہیں میں نے اس سے کہا اپنی لاٹھی اٹھالے۔ اس نے کہا: تو مجھے منع کرتا ہے؟

میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی

بائیں ران پر بٹھا رکھا تھا اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ حضرت
حسن رضی اللہ عنہ کے سر پر اور بایاں ہاتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر
رکھا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات ارشاد فرما رہے تھے:

اللھم انی استودعکھما وصالح المومنین .
اے اللہ میں اپنی یہ امانت تیرے اور نیک ایمان والوں کے
حوالے کرتا ہوں۔

پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یزید سے کہا:
اے یزید! تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امانت کی کیسی پاسداری کی؟
ابن ابی الدنیا نے ہی یہ بھی روایت کیا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ
کا سر یزید کے پاس لایا گیا تو اس وقت حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس تھے یزید
اپنی چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے اور منہ پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ میں
مذکورہ شعر دہرانے لگا تو حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا:

اپنی چھڑی اُٹھالے بخدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منہ پر منہ
رکھ کر بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ (طبری، کامل، البدایہ)

ابن ابی الدنیا نے سالم بن حفصہ سے روایت کیا ہے انہوں نے حضرت
حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا:

ہائے کیا پستی اور ذلت ہے! یزید رسول اللہ کے منہ لگانے کی جگہ
پر چھڑیاں مار رہا ہے۔ اس کے فورا بعد ہی حضرت حسن
بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر کہا:

سمیۃ امسی نسلھا عدد الحصی
وبنت رسول اللہ لیس لھانسل

''سمیہ (باندی زیاد کی ماں اور ابن زیاد کی دادی) کی نسل (یعنی ان کے غمخوار اور حمایتی) سنگریزوں کے برابر ہو گئے اور رسول اللہ کی بیٹی (حضرت فاطمہ ام حسین رضی اللہ عنہا) کی نسل کوئی نہ رہی''۔

حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ جب یزید کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر لاکر اس کے سامنے رکھا گیا، تو اس نے درج ذیل دو شعر بطور تمثل اور استشہاد کے پڑھے:

لیت اشیا خي ببدر شهدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل
فاهلوا ، وا ستهلوا فرحا
ثم قالوالی بغيب لاتشل

کاش کہ میرے بدر والے آباء و اجداد نیزوں کی ضرب کی وجہ سے خزرج کی جزع اور چیخ و پکار کو دیکھتے، تو اس موقعے پر وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے اور پھر مجھے مبارک دیتے اور یہ کہتے کہ شاباش! ناکام نہ ہونا۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں ان اشعار کی وجہ سے یزید منافق ہو گیا۔ پھر خدا کی قسم اس کے حلقے اور لشکر میں جتنے بھی لوگ تھے سب نے اسے اس بات پر لعن طعن اور ملامت کی۔

اشعار کا پس منظر:

یہ اشعار درحقیقت ابن زبعری (جو پہلے غیر مسلم تھے اور فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے، ان) کے ہیں اور اصل اشعار اس طرح ہیں:

لیت اشیا خی ببدر شھدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل
حین انتت بقباء برکھا
واستحر القتل فی عبدا لاشل
وقتلنا الضعف من ساداتھم
وعدلنا میل بدر فاعتدل

کاش کہ بدر میں مرنے والے میرے معزز سردار احد کے موقع پر نیزوں کی ضرب سے انصار کی چیخ و پکار سنتے۔
وہ وقت کیا تھا جس وقت قباء میں اونٹنی بیٹھ چکی تھی اور عبدالاشل میں خونریزی زوروں پر تھی
ہم نے ان کے دو گنے سردار قتل کیے اور ہم نے بدر والے ادھار کا حساب پورا پورا تول کر چکا دیا ہے۔

ان اشعار کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں نے بدر میں مشرکین مکہ کے بہت سے لوگ قتل کیے اور مشرکین مکہ نے احد میں بہت سے لوگ شہید کیے۔ اس تناظر ہی میں ابن زبعری نے یہ اشعار کہے۔ قتل حسین رضی اللہ عنہ کے موقع پر یزید نے کچھ ترمیم کے ساتھ ان اشعار کو پڑھا تھا۔ یزید کی بے شرمی اور ڈھٹائی کے لیے اور سب باتوں سے قطع نظر اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے ایسے موقع پر کہے گئے اشعار کو اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے استعمال کیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ دربارِ یزید میں:

پھر یزید نے علی بن حسین رضی اللہ عنہ یعنی حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کو اور آپ

کے ساتھ موجود عورتوں اور بچوں کو بلایا۔ یہ لوگ (قیدیوں کی طرح) رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ اس کے پاس آ گئے تو حضرت زین العابدین نے اس سے کہا:

یزید! تمہارا کیا خیال ہے اگر رسول اللہ ﷺ ہمیں یوں رسیوں سے بندھے ہوئے دیکھ لیں تو آپ کے دل پر کیا گذرے گی کیا آپ کا دل پسیج نہیں جائے گا؟۔

یزید نے جواب میں کہا:۔

اے علی! تمہارے باپ نے ہی اس رشتے کو ختم کیا ہے اور میری حکومت میں دخل اندازی کی ہے چنانچہ اللہ نے اس کے ساتھ وہ کچھ کیا جو تمہارے سامنے ہی ہے۔

اس کے بعد یزید نے عورتوں اور بچوں کو طلب کیا، وہ سب اس کے سامنے لاکر بٹھائے گئے۔ اس دوران ایک شامی نے کہا اے امیر المومنین (یزید) یہ بچی یعنی فاطمہ بنت علی مجھے (بطور باندی) تحفہ دیدیں اس کی یہ بات سن کر صاحبزادی نے یہ سمجھا کہ شاید یہ ایسا ہی کریں گے چنانچہ انہوں نے خوفزدہ ہوکر اپنی بڑی بہن حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کے کپڑے پکڑ لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس شامی سے کہا:

كذبت والله ماذلك لك ولا له.

تو نے جھوٹ کہا ہے بخدا نہ تو تو یہ کام کر سکتا ہے اور نہ ہی یہ یزید۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر یزید غصے میں آ گیا اور کہنے لگا:

تم غلط کہتی ہو یہ بات میرے اختیار میں ہے اور اگر میں یہ کرنا چاہوں تو کر دونگا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ بات سن کر فرمایا:

کلا واللہ ماجعل ذلک لک الاان تخرج من ملتنا او تدین بغیر دیننا.

"ہرگز نہیں بخدا! تمہیں اس بات کا قطعاً اختیار نہیں۔ہاں اگر تم ملت اسلام سے نکل جاؤ یا کوئی دوسرا دین اپنا لو تو پھر ہو سکتا ہے۔

(طبری، کامل، بدایہ)

اہلِ خانہ کی مدینہ منورہ آمد:

پھر یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو مدینہ منورہ روانہ کردیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سرمبارک کو عمرو بن سمیہ بن عاص کے پاس بھیج دیا جو کہ اس وقت کا مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔اس نے سر کو پکڑا اور اپنے سامنے رکھا اور آپ کے ناک کو ہاتھ سے پکڑا پھر اسے دفن کرنے کا حکم دیدیا۔چنانچہ سرمبارک کو کفن دیا گیا اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی قبر کے قریب دفن کردیا گیا۔(طبقات ابن سعد)

سرمبارک کے بارے میں یہ روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔البتہ ابن ابی الدنیا نے اپنی سند سے یہ نقل کیا ہے کہ لوگوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے خزانے سے ملا تھا جس کو انہوں نے کفن دیا اور دمشق ہی میں باب الفرادیس کے پاس دفن کردیا۔لیکن ان دونوں روایتوں میں سے قابل اعتماد اور صحیح روایت طبقات ابن سعد کی ہی ہے۔کیونکہ اس کے راوی قابل اعتماد ہیں اور ابن ابی الدنیا کی روایت میں دو راوی یعنی عثمان بن عبدالرحمان اور محمد بن عمر، محدثین کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

ابو جعفر سے مروی ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو بنو عبدالمطلب کے

(یعنی ہاشمی) خاندان کی ایک عورت اپنے بال کھولے اور اپنے بازو سر پر رکھے ہوئے باہر نکلی اور روتے ہوئے یہ شعر پڑھنے لگی:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم
ماذا فعلتم وانتم الآ خر ا لا مم
بعترتی و باهلي بعد مفتقدی
منهم اساری وقتلی (ضرجوا) بدم
ماکان هذا جزائي اذنصحت لکم
ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمي

اگر نبی علیہ السلام نے تم سے سوال کر لیا کہ اے میری آخری امت تم نے یہ کیا کیا؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ میرے جانے کے بعد میری عترت اور میرے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا، کچھ قیدی ہیں اور کچھ خون میں نہلا دیئے گئے ہیں۔ میری تم سے (عمر بھر کی) خیر خواہی کا کیا یہی صلہ تھا کہ تم میرے قرابت داروں کے ساتھ میرے بعد یہ برا سلوک کرتے!!۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا:

لو کنت ممن شایع علی قتل الحسین ثم قیل لی ادخل الجنة لاستحیت ان یرانی رسول الله وقد فعلت مافعلت .

اگر (خدانخواستہ) میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والوں میں شامل ہوتا اور مجھے یہ کہا جاتا کہ جاؤ جنت میں چلے جاؤ تو

مجھے (جنت میں جانے سے یہ بات مانع ہوتی اور مجھے) شرم آتی
کہ مجھے رسول اللہ ﷺ جنت میں دیکھیں گے حالانکہ میں ایسا
کام کر کے آ رہا ہوں۔

(تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، مجمع الزوائد)

ابن ابی الدنیا نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے یہ فرمایا:

قتلوه ملأ الله قبورهم وبيوتهم ناراً

''ان لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اللہ ان کی قبروں اور ان کے
گھروں کو آگ سے بھر دے''۔

اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ (تہذیب الکمال، سیر اعلام النبلاء)

عمار بن ابو عماد سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے دوپہر کے وقت نبی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آپ کی حالت پراگندہ اور بال بکھرے اور گرد آلود تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) یہ شیشی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اسی دن سے جستجو جاری رکھی حتی کہ ہمیں معلوم ہوا کہ بالکل اسی دن (جس دن مجھے خواب آئی تھی) حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ (مسند احمد)

مصنف کا تبصرہ:

اس سارے معاملے میں عمر بن سعد اور عبید اللہ بن زیاد کے کیے پر تعجب اور شکوہ نہیں، تعجب تو یزید کی رسوائی اور ڈھٹائی پر ہے کہ:

(۱) اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دندان مبارک پر چھڑی ماری۔

(۲) اور پھر سر کو اپنی غرض فاسد اور بدنیتی کے پیش نظر مدینہ روانہ کیا کیونکہ اتنا طویل عرصے کے گذرنے کی وجہ سے اس میں طبعی تغیر آ چکا تھا (مقصد یہ تھا لوگ متنفر ہوں)۔ کیا ایسا رویہ اور سلوک خوارج کے ساتھ بھی روا ہے؟۔ کیا شریعت میں ان کے بارے میں بھی یہ حکم نہیں کہ ان کا جنازہ پڑھا جائے اور ان کو (انسانی اور مسلمانی کے حق کی وجہ سے) با قاعدہ دفن کیا جائے؟۔

(۳) اور یزید کا یہ کہنا کہ مجھے اس بات کا بھی حق ہے کہ میں ان لوگوں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں) کو قید کر کے باندیاں اور غلام بنالوں۔ اس کی یہ بات ایسی ہے کہ جس کے کہنے اور کرنے والا سوائے لعنت کے کسی اور چیز کا مستحق نہیں۔ سو اس کے لیے تو بس لعنت ہی ہے۔

اور ویسے سوچنے کی بات ہے کہ اگر وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے پہنچنے پر اس کا احترام کرتا اور اس کا جنازہ ادا کرتا اور اسے تھال (طشت) میں یوں ہی رہنے دیتا اور اسے اپنی چھڑی سے نہ مارتا تو بھی اسے کیا نقصان ہوتا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اس کا مقصد تو حاصل ہو ہی چکا تھا۔ لیکن بس اس کی جاہلیت پر مبنی کینے اور بغض کا کیا بنتا (اور اس کی تسکین کیسے ہوتی) اور اس جاہلی کینے کے بارے میں دلیل اور علامت کے طور پر پیچھے وہ اشعار ذکر ہو ہی چکے ہیں (جن میں جاہلیت کے ایک شاعر نے مسلمانوں کو احد میں پہنچنے والے صدمے اور شہادتوں پر شیخی بگھاری تھی)۔

اہلِ مدینہ کی یزید سے براءت:

سن ۶۲ ھ ہجری کے شروع میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے اہل مدینہ کے ایک وفد کو یزید کے دربار میں بھیجا۔ جب وہ وفد وہاں سے واپس آیا تو انہوں نے مدینہ میں یزید کے بارے میں منفی باتوں کو بیان کیا اور انہوں نے کہا:

"ہم ایک ایسے آدمی کے پاس سے واپس آرہے ہیں جو بے دین ہے۔ شراب کا رسیا ہے۔ گانے باجے کا شغل رکھتا ہے۔ اور کتوں سے کھیلتا ہے اب ہم تم سب لوگوں کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی بیعت توڑ دی ہے"۔

اور منذر نے کہا:

اگر چہ اس (یزید) نے مجھے ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا تھا تاہم اس کا یہ دینا مجھے تمہارے سامنے حقیقت حال واضح کرنے سے مانع نہیں۔ خدا کی قسم وہ شراب پیتا ہے اور اس کے نشے میں مست رہتا ہے حتی کہ نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔ (کامل، البدایہ)

پھر اہل مدینہ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ (غسیل الملائکہ کا مطلب ہے فرشتوں کا غسل دیا ہوا اور یہ جنگ احد کے اس واقع کی طرف اشارہ ہے جس کے میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا ان) کے بیٹے حضرت عبداللہ کی بیعت کی اور یزید کے گورنر عثمان بن محمد کو مدینہ سے نکال دیا عبداللہ بن حنظہ نے اس موقع پر یہ فرمایا:۔

اے لوگو ہم نے یزید کے خلاف خروج اس لیے کیا ہے کہ ہمیں یہ

ڈر تھا کہ اگر ہم یہ کام نہ کریں تو کہیں آسمان سے ہمارے اوپر
پتھر نہ برس پڑیں بخدا! شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے۔
خدا کی قسم اگر اس معاملے میں میرے ساتھ کوئی بھی آدمی نہ ہوتا
تب بھی میں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا۔

عبداللہ بن عمرو جو کہ ایک ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہیں وہ (مذکورہ روایت حضرت عبداللہ کے الفاظ میں) یہ بھی اضافہ نقل کرتے ہیں:

''اہل مدینہ میرے پاس آئے انہوں نے (علی الاعلان) یزید
کی بیعت سے علیحدگی اختیار کر لی''۔

عبداللہ بن عمرو بن جعفر مخزومی نے کہا:

میں نے یزید کی بیعت کا بوجھ اپنے سر سے یوں اتار دیا ہے
جیسے میں نے اپنا عمامہ اتارا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی
پگڑی اتار کر دکھائی اور پھر کہا: اگرچہ یزید نے میرے ساتھ
صلہ رحمی کا معاملہ کیا اور مجھے انعام واکرام سے بھی نوازا تاہم میں
پھر بھی اس کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہوں کیونکہ دشمن خدا
شراب کے نشے میں دھت رہنے والا ہے۔

حرہ کا دلخراش واقعہ:

جب یزید کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو پیغام بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ تین دن تک لوگوں کو دعوت دو اگر بات مان لیں تو فبہا ورنہ ان سے لڑائی کرو اور جب تمہیں غلبہ حاصل ہو جائے تو تین دن تک کے لیے مدینہ میں موجود مال واسباب، اسلحہ اور خوراک کو مباح عام کر دو یہ سب لشکر کا ہوگا پھر جب تین دن گذر

جائیں تو ہاتھ روک لینا۔ (یزید کی ہدایت پر) مسلم بن عقبہ نے ایسا ہی کیا اور مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کو اپنے لشکر کے لیے تین دن تک مباح عام قرار دیدیا۔ وہ لوگ تین دن تک مردوں کو قتل، اور عورتوں سے زیادتی کرتے رہے۔ اس موقع پر ایک عورت نے اپنے بیٹے کے بارے میں جو کہ قیدی تھا، بات کی، مسلم بن عقبہ نے کہا: اسے جلدی انجام تک پہنچادو چنانچہ اس بیچاری عورت کا سرتن سے جدا کردیا گیا۔

پھر اس کے بعد مسلم بن عقبہ نے لوگوں سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا اور یہ کہا کہ اس شرط پر بیعت ہوگی کہ تم یزید کے غلام اور بردے ہوگے اور تمہارے اموال اس کی ملک ہوں گے۔ اس موقع پر یزید بن عبداللہ بن زمعہ نے کہا ہم تو کتاب اللہ پر بیعت کریں گے۔ مسلم بن عقبہ کے حکم پر ان کی گردن اڑادی گئی۔

اسی طرح مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ کو بھی مسلم بن عقبہ کے پاس لایا گیا۔ ان لوگوں نے بیعت کا مطالبہ تو حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

ابايع على مسيرة ابى بكر وعمر.

''میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے پر بیعت کرتا ہوں''۔

مسلم بن عقبہ نے ان کی گردن اڑانے کا حکم دیا لیکن ایک آدمی نے ان کے بارے میں یہ گواہی دی کہ یہ تو دیوانہ ہے تو اس بنا پر ان کو چھوڑ دیا گیا۔

محمد بن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ مروان نے مسلم بن عقبہ کو اہل مدینہ کے خلاف ابھارا اور اس موقع پر وہ مسلم بن عقبہ کے ساتھ اس کا معین ومددگار بن کر آیا یہاں تک کہ اس نے اہل مدینہ پر غلبہ پایا اور تین دن تک لوٹ مار مچائی۔ جب مروان یزید کے دربار میں گیا تو اس نے اس کارنامے پر بہت شکریہ ادا کیا اور اسے بہت قرب بخشا۔

مدائنی نے اپنی کتاب ''کتاب الحرہ'' میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> حرہ کے واقعے میں قریش وانصار اور مہاجرین میں سے سات سو معزز اور نمایاں آدمی شہید ہوئے (جیسے معقل بن سنان رضی اللہ عنہ، سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن نوفل رضی اللہ عنہ وغیرہ)۔ اور اس کے علاوہ آزاد کردہ اور نامعلوم غلاموں اور عام آدمیوں اور عورتوں میں سے شہید ہونے والوں کی تعداد دس ہزار ہے۔
> (البدایہ والنہایہ)

ام ہیثم بنت یزید سے مروی ہے کہ میں نے ایک قریشی عورت کو مدینہ کی کسی گلی میں جاتے دیکھا وہاں اس کے سامنے ایک کالے رنگ کا بچہ آ گیا اس نے اسے سینے سے لگایا اور اس کا بوسہ لیا میں نے کہا:

> اے اللہ کی بندی! تم اس کالے کلوٹے لڑکے کو پیار کر رہی ہو تو اس نے کہا یہ میرا بیٹا ہے اس کے والد نے حرہ کے دن میرے ساتھ صحبت کی تھی جس کے نتیجے میں یہ پیدا ہوا ہے۔ مدائنی نے ہشام بن حسان سے روایت کیا ہے کہ واقعہ حرہ کے بعد مدینہ کی ایک ہزار کے قریب عورتوں نے ناجائز بچے جنے۔

واقعہ حرہ کے مزید دلخراش واقعات اور یزید کی اہل مدینہ پر غارت گری اور لوٹ مار کے متعلق مزید واقعات دیکھنے ہوں تو ہمارے استاد ابو الفضل بن ناصر کی کتاب دیکھیے جو کئی اجزاء پر مشتمل ہے یہاں اختصار کے پیش نظر اتنا ہی کافی ہے۔

اہل مدینہ کی بابت احادیثِ نبوی:

صائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جس نے اہل مدینہ کو ظلم کے طریقے سے خوفزدہ کیا اللہ اس کو وحشت زدہ کریں گے اور اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت ہو۔ اللہ اس کا قیامت کے دن نہ کوئی نفل قبول کریں گے اور نہ فرض۔ (مسند احمد)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ مکر و برائی کا معاملہ کرے گا اس کا جسم یوں پگھل جائے جیسے نمک پانی میں پگھلتا اور گھلتا ہے (بخاری)

اور امام مسلمؒ نے بھی اسی سے ملتی جلتی یہ روایت نقل کی ہے۔

جو آدمی بھی اہل مدینہ سے برائی کا معاملہ کرے اللہ اسے بروز قیامت آگ میں ایسے پگھلائیں جیسے کہ سیسہ بہتا ہے۔ یا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

اے اللہ! مدینہ کے مد (غلے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما اور جو شخص بھی اہل مدینہ سے برا ارادہ کرے اسے ایسا پگھلا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

عبدالمغیث کی بات پر تبصرہ:

ہمارے بے وقوف فریق مخالف (یعنی عبدالمغیث حنبلی جنہوں نے حمایت یزید کا بیڑا اٹھایا تھا) ان کا خیال یہ ہے کہ ان تمام احادیث میں اہل مدینہ کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بغیر کسی تاویل اور مجبوری کے انہیں خوفزدہ کیا۔ (گویا اگر کسی وجہ سے خوفزدہ کرے تو وہ ان احادیث کا مصداق نہیں) لیکن بات یہ ہے کہ ان احادیث کا جو مطلب اس عقل سے پیدل صاحب کے دماغ میں آیا ہے وہ یقیناً امام احمدؒ سے بھی اوجھل رہا ہے کیونکہ وہ تو یزید کے بارے میں یہ کہتے ہیں:

الیس قداخاف المدینة .

کیا اس نے اہل مدینہ کو خوفزدہ نہیں کیا۔

اور آج تک (ان صاحب کے سوا) کسی کے علم میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یزید کی کا یہ فعل کسی تاویل اور معقول شرعی وجہ پر مبنی تھا۔

پھر اس کے بعد ان صاحب نے مزید یہ بھی مفروضہ گھڑا کہ جب یزید کے خلاف خروج ہو رہا تھا تو اس موقع پر اس کے لیے اہل مدینہ کے ساتھ ایسا اقدام کرنے کی گنجائش تھی اگر چہ ہمیں اس میں بھی کلام ہے (لیکن سر دست تسلیم کرتے ہیں) اور ہم کہتے ہیں چلو خروج کو روکنے کے لیے اقدام جائز بھی ہو تب بھی اس بات کی گنجائش کہاں سے آئی کہ تین دن تک اس کو لوٹ مار کے لیے حلال اور مباح قرار دیدے۔ حالانکہ یزید نے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں خود اس بات کا حکم دیا تھا اور پھر کیا یزید اس واقعے سے اور جو کچھ ہوا اس پر راضی بھی نہیں تھا؟ اور کیا اس نے اس کی تردید کی یا انکار کیا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اس نے تو مروان بن حکم کا (جیسا پیچھے گزرا) اس حوالے سے شکریہ ادا کیا تھا۔

بہر حال یزید کی طرف سے اس واقعے کے لیے عذر پیش کرنا (اور صفائی دینا) عذر گناہ بدتر از گناہ (کا مصداق) ہے۔

حرم مکہ پہ سنگ باری:

حرہ کا یہ واقعہ ۲۸ ذوالحجہ سن ۶۳ ہجری کو بدھ کے دن پیش آیا اس کے بعد جب سن ۶۴ ہجری شروع ہوا اور مسلم بن عقبہ اہل مدینہ کے قتال سے اور اس کا لشکر ان کے اموال کی لوٹ سے فارغ ہو چکا تو پھر مسلم بن عقبہ ہی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے لیے مکہ کی جانب روانہ ہوا لیکن راستے میں مر گیا۔ اس کی موت اور اہل مدینہ کی لوٹ مار کے درمیان چند دن ہی کا وقفہ ہوا ہوگا۔ چنانچہ بالکل ایسے ہی پگھل گیا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ اس (بدبخت) نے اپنی بے وقوفی اور انتہا درجے کی بے عقلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بوقت مرگ یہ الفاظ کہے:

> اے اللہ! میں نے کلمہ پڑھنے کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ لڑائی سے بڑھ کر کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ اگر اس کے بعد بھی مجھے جہنم ہی جانا پڑا تو میں یقیناً بدبخت ہونگا۔ (البدایہ والنہایہ)

پھر اس نے حصین بن نمیر سکونی کو طلب کیا اور اس سے کہا تجھے امیر المومنین (یزید) نے میرے بعد والی بنایا ہے۔ بس اب تم جلدی کرو اور ابن زبیر کو بس تین دن کے اندر اندر جا لو۔ یہ چلا یہاں تک کہ اس نے ابن زبیر کا ۶۴ دن تک بڑا شدید محاصرہ کیے رکھا جس کے دوران ان کے درمیان بڑی شدید لڑائی ہوئی اور تین ربیع الاول ہفتے کے دن کعبے پر بھی منجیقوں سے سنگ باری کی گئی ہے۔ ایک آدمی نے اپنے نیزے پر آگ کا ایک شعلہ لگا رکھا تھا جو ہوا کی وجہ سے بیت اللہ پر جا گرا جس سے اس میں آگ لگ گئی۔ ادھر ربیع الاول کا چاند نکلتے ہی ان لوگوں کے پاس یزید کے مرنے کی خبر آ گئی۔ اس لحاظ سے وقعہ حرہ اور یزید کی موت کے درمیان کل تین ماہ

کا عرصہ گذرا ہوگا۔ چنانچہ یہ بھی اہل مدینہ کے حق میں پیچھے ذکر کردہ حدیثوں کا مصداق بن کر یوں پگھل گیا جیسے سیسہ آگ میں پگھلتا ہے۔

اس بارے میں ہم یہاں اسی قدر تفصیل پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ مقصودی بات سامنے آ ہی گئی ہے۔ جس کو مزید تفصیل دیکھنی ہو وہ میری کتاب المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم کا مطالعہ کرلے۔

حمایت یزید میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ:

(تمہید میں ذکر کردہ ترتیب کے مطابق پہلے واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر وہ واقعات بیان کیے گئے جو یزید کی شخصیت کا مقام متعین کرنے کے لیے کافی ہیں۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر اہلسنت نے اسے فاسق قرار دیا ہے۔ پیش آمدہ سطور میں ہمارے ممدوح عبدالمغیث حنبلی، (جو کہ اس مسئلہ میں مختلف اور نرالی رائے رکھتے ہیں، ان) کی طرف سے حمایت یزید میں پیش کیے جانے والے دلائل اور انکا جائزہ لیا جائے گا۔)

باقی رہی وہ چیزیں جن کے بل بوتے پر اس صاحب (عبدالمغیث) نے حمایت یزید کا نظریہ اختیار کیا ہے تو اس کے بارے میں حقیقت حال یہ ہے کہ یہ باتیں دلائل تو درکنار شبہات کا بھی درجہ نہیں رکھتی مثلاً انہوں نے کہا:

امام احمد پر اعتراض:

۱۔ آپ لوگ کہتے ہو کہ امام احمدؒ نے یزید پر لعنت کے جواز کا قول کیا ہے اور انہوں نے اس آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے۔

فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوافى الارض .

حالانکہ یہ آیت تو یہودی منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمدؒ اس آیت کو تمام اہل اسلام پر کیسے چسپاں کرر ہے ہیں؟

اس بات کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ پہلی بات یہ ہے کہ تمہاری اتنی جرات ہوگئی کہ تم امام احمدؒ کی بات کی تردید کر سکتے ہو۔ فیاللعجب۔ بہرحال جس بنیاد پر تم نے امام احمدؒ کے قول پر رد کیا ہے اس کا جواب تین طریقوں سے ہے (جو ذیل میں ہیں)۔

پہلی وجہ:

تم نے اس آیت سے متعلق جو بات کی وہ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر سے نقل شدہ ہے اور خود مقاتل بن سلمان محدثین کے ہاں بالاتفاق کذاب ہے، جو واہی تباہی روایت کرتا ہے۔

وکیع کہتے ہیں: مقاتل بن سلیمان کذاب (یعنی بہت بڑا جھوٹا) ہے۔

سعدی فرماتے: یہ شخص بڑا دجال اور انتہائی غیر محتاط تھا۔

امام بخاری کا کہنا ہے: مقاتل بن سلمان کا بالکل کوئی مقام نہیں ہے۔

اور زکریا ساجی فرماتے ہیں: کذاب ہے اور متروک الحدیث ہے یعنی اس سے حدیث نہ لی جائے۔

اور رازی کہتے ہیں: اس سے حدیث نہیں لی جائیگی۔

اور امام نسائی فرماتے ہیں:

بڑے بڑے جھوٹے راوی، جو رسول اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے سے بھی نہیں جھجکتے، وہ چار ہیں۔

(۱) ابراہیم بن ابویحییٰ ۔ مدینہ میں

(۲) واقدی ۔ بغداد میں

(۳) مقاتل بن سلیمان ۔ خراسان میں

(۴) محمد بن سعید ۔ شام میں

اور ابن حبان مقاتل کے بارے میں (ذرا تفصیل سے) فرماتے ہیں:

مقاتل قرآن مجید کی وہ باتیں جو کتب سابقہ کے موافق ہیں خود یہود ونصاریٰ سے حاصل کرتا تھا۔ نیز یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کا مشبہ بھی تھا ①، خدا کو مخلوقات جیسا کہتا تھا اور مزید برآں یہ کہ حدیث کے باب میں جھوٹ بھی بولتا تھا۔

دوسری وجہ:

امام احمد کی بات کی تردید میں تمہاری طرف سے کہی گئی بات کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام احمد نے اس آیت میں ولایت اور حکومت کی تفسیر خود مسلمانوں کی ولایت سے کی ہے۔ چنانچہ ایک طرف امام احمد کی تفسیر ہے اور دوسری طرف مقاتل کی اور تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس کذاب مقاتل کی تفسیر کو امام احمد کی تفسیر پر کیسے ترجیح دی؟ اور یہودیوں کی ولایت اور حکومت تھی بھی کون سی جو یہاں مراد ہوتی؟۔

---

① مشبہ (میم کے پیش شین کے زبر اور باء کے شد اور زیر کے ساتھ) اس کا لفظی مطلب ہے تشبیہ دینے والا یعنی ایک چیز کو دوسری چیز جیسا قرار دینے والا۔ اور علمی اصطلاح میں مشبہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اللہ رب العزت کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں، یا اللہ کی صفاتِ (متشابہات) کو ایسے انداز سے بیان کرتے ہیں جس سے اس کا مخلوق کے عوارض ولوازم سے متصف ہونا لازم آئے

تیسری وجہ:

اگر ہم یہ مان بھی لیں جیسا کہ تم کہتے ہو کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تب بھی ہمارے مدعا کے لیے مطلق نقصان دہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک مشہور بات ہے کہ قرآنی آیت سے مستفاد ہونے والا حکم اس آیت کے خاص پس منظر اور شان نزول کے علاوہ دیگر صورتوں اور واقعات پر بھی اس طرح منطبق ہوتا ہے جیسے اس واقعے پر تھا۔ چنانچہ کسی خاص قوم یا طبقے کے بارے میں نازل ہوے والی آیت کے حکم کو دیگر لوگوں کے لیے ثابت ماننے میں کوئی مانع نہیں (حاصل یہ ہے کہ اگر تمہارے کہے بقول یہ مان بھی لیا جائے کہ مذکورہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوتی تھی تب بھی یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ یہ آیت یہودیوں کے ساتھ ہی خاص ہے بلکہ جو بھی ایسا کام کرے گا جو اس آیت میں لعنت کا موجب قرار دیا گیا ہے وہ اس آیت کے تحت آئے گا خواہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم)۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت سے استدلال:

اس صاحب نے امام احمد کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد کا تو طرز عمل ہی یہ ہے کہ وہ اسلاف کے طریقے پر سختی سے کاربند ہیں اسی وجہ سے ان کا یہ قول مشہور اور زبان زد عام ہے کہ: کیف اقول مالم یقل۔ (ترجمہ: میں وہ بات کیسے کرسکتا ہوں جو پہلے نہیں کہی گئی)

اور جب ہم (امام احمد سے پہلے لوگوں یعنی) صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھتے ہیں تو ان میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کی تھی۔ ایسی صورت میں امام احمدؒ اس کے برعکس یزید کو برا کیسے کہہ سکتے ہیں؟

لیکن ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں:

تاریخ وسیرت کے باب میں ایک گٹھی پر پنساری بن بیٹھنے والے صاحب! ہم نے پیچھے باحوالہ ذکر کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کے بارے میں سنا تو مکہ مکرمہ چلے گئے۔ (اگر وہ یزید کی بیعت پر برضاورغبت مطمئن تھے تو انہوں نے یہ کیوں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ) ان لوگوں نے آپ سے کہا تھا کہ اگر آپ بیعت نہیں کریں گے تو ہم آپ کو قتل کردیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مجبوری کے درجے میں (اون البلیتین یعنی دوناگزیر مصیبتوں میں سے کم درجے کی مصیبت کو اختیار کرتے ہوئے) بیعت کی۔ (جس سے یزید کے صالح ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ابتداءً بیعت نہ کرنا اس کے صالح نہ ہونے کا غماز ہے)۔

امام احمد رحمہ اللہ کے سکوت سے استدلال:

ہمارے ممدوح صاحب نے اپنے موقف کی تائید کے لیے اس روایت کا بھی سہارا لیا ہے کہتے ہیں:۔

ابوطالب سے مروی ہے میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یہ کہے، لعن اللہ یزید بن معاویۃ آپ اس بارے کیا کہتے ہیں؟ تو امام احمد نے جواباً فرمایا: ہم اس بارے میں گفتگو نہیں کرتے اور میرے نزدیک سکوت زیادہ بہتر ہے۔

ہم اس روایت کے بارے میں اتنا عرض کرتے ہیں کہ یہ راویت ہمیں بھی تسلیم ہے۔لیکن اس سے جو نتیجہ تم نے کشید کیا ہے وہ تسلیم نہیں۔اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تم نے پیچھے جواز لعنت سے متعلق امام احمدؒ کی روایت اور اس روایت میں تناقض، تعارض اور ٹکراؤ ثابت کیا ہے۔اور پھر تم نے دونوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے۔حالانکہ درحقیقت ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض اور ٹکراو نہیں ہے کیونکہ دونوں باتیں اپنے اپنے محل پر صحیح ہیں۔ پہلے ذکر کردہ روایت میں لعنت کا جواز اور گنجائش تھی کہ یہ کام کوئی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے جبکہ تمہاری پیش کردہ اس روایت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کے لیے اس کام میں مشغول ہونے سے بہتر ہے کہ دوسرے مفید کاموں میں لگے جیسے پیچھے ہم نے ذکر کیا تھا کہ ابلیس پر لعنت کرنے سے بہتر ہے ذکر خدا کی تسبیح کی جائے کیونکہ یہ ایک جائز کام ہے اور دوسرے کام اس کے مقابلے میں زیادہ اہم ہیں۔اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ امام احمدؒ لعنت کے جواز کے قائل نہیں۔

اور دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ امام احمد کے مذہب کی بابت دیگر اکابرین اور ناقل مثلاً ابوبکر خلال، قاضی ابویعلی اور ان کے بیٹے ابوالحسن تمہارے مقابلے میں زیادہ واقف ہیں اور وہ بہت بہتر سمجھتے ہیں کہ امام احمدؒ کا مذہب کیا ہے اور کیا یزید پر لعنت کرنا امام احمدؒ کا مذہب ہے یا نہیں۔ان حضرات نے جوازِ لعنت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم نے شروع میں ذکر کر دیا ہے اگر یہ بات تمہارے گوش گذار نہ ہوئی ہو تو دوبارہ سن لو اور ان لوگوں کی کتابیں اٹھا کر دیکھو تمہیں لعنت کا جواز صاف ملے گا۔

اس کے علاوہ امام احمد نے متعدد جگہوں پر لعنت کے مستحق لوگوں پر خود لعنت

کی ہے مثلاً اپنے رسالے "مسدد" میں کہتے ہیں: الواقفة ملعونة، والمعتزلة ملعونة اور خلال نے "کتاب السنہ" میں عبداللہ بن احمد حلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

علی الجهمية لعنة الله .

جہمیہ پر خدا کی لعنت ہے۔

نیز حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حجاج پر لعنت کیا کرتے تھے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ فرماتے تھے: حجاج ایک برا انسان تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی سے یزید کے حق میں استدلال:

ان صاحب نے اپنے استدلال میں اس بات کو بھی پیش کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی۔

اللّٰهم اجعله هادياً ومهدياً .

اے اللہ ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے

چنانچہ جو صاحب ہدایت دینے والے ہوں، خود انہوں نے جب یزید کو ولی عہدی کے لیے منتخب کیا ہو تو اس پر طعن و تشنیع کیسے ہو سکتی (حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ کی ہوئی دعا کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کا یہ اقدام درست اور ہدایت پر مبنی ہو اور یزید کے انتخاب میں کوئی کمی اور فروگذاشت نہ ہو)۔

لیکن ہم ان صاحب سے یہ عرض کریں گے کہ پہلے اس حدیث کی صحت کو معلوم کیجیے پھر ابن علیہ کو دیکھئے اور یہ کام آپ خود ہی کیجیے کیونکہ اگر ہم یہ کام کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیں یہ الزام دیں کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تعصب

سے کام لیتے ہوئے یہ کرر ہے ہیں۔ البتہ یہاں قارئین اور استفادہ کرنے والوں کے لیے ہم اس کی تھوڑی سی وضاحت کیے دیتے ہیں۔

سلیمان قریشی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت معاویہ بن رضی اللہ عنہ ابی سفیان کو والی بنایا تو لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ تو نوجوان ہیں، ناتجربہ کار ہیں، ان کو والی بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوتے سنا ہے:

اللّٰهم اجعله هادياً ومهدياً .

اس روایت کی مکمل سند ملاحظہ ہو:

علی بن عبداللہ زاغونی۔۔علی بن احمد تستری۔۔ ابوعبیداللہ بن بطہ عکبری ۔۔بغوی۔۔محمد بن اسحاق ۔۔ہشام بن عمار۔۔ عبدالعزیز بن ولید۔۔ سلمان قرشی۔۔والد سلمان۔

یہی روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں حضرت عبدالرحمان بن ابوعمیرہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان الفاظ میں دعا فرماتے ہوئے سنا:۔

اللّٰهم اجعله هادياً ومهدياً .

اس طریق کی مکمل سند یہ ہے: علی بن عبیداللہ۔۔علی بن بشری۔۔ ابو عبیداللہ بن بطہ۔۔ قافلائی + ابن مخلد۔۔محمد بن اسحاق۔۔ یحیی بن معین۔۔ابومسہر ۔۔سعید بن عبدالعزیز۔۔ ربیعہ بن یزید۔۔عبدالرحمان بن ابوعمیرہ۔

دونوں سندوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا دارومدار محمد بن اسحاق بن حرب بلخی پر ہے اور یہ آدمی بڑا جھوٹا تھا۔ اور امیر المومنین حضرت علی کرم

اللہ وجہ سے بغض رکھتا تھا۔اسی وجہ سے قتیبہ بن سعید اس کا بڑے برے الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے۔انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اس نے ایک دفعہ کوفہ میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہا لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا تو یہ وہاں سے بھاگ نکلا۔اور محدث ابوعلی صالح بن محمد کے اس کے بارے میں الفاظ یہ ہیں:

کان محمدبن اسحاق کذابایضع للکلام اسنادا ویروی احادیث مناکیر.

محمد بن اسحاق بہت بڑا جھوٹا آدمی تھا ،کسی بھی بات کے لیے سند گھڑ لیتا تھا اور منکر یعنی غیر معروف احادیث روایت کرتا تھا۔

اور ابن حبان کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

یاتی عن الثقات بمالیس من حدیث الاثبات)کانه المعتمد لها)لا یکتب حدیثه الا للاعتبار.

محمد بن اسحاق اپنے اوپر کے ثقہ راویوں سے ایسی احادیث نقل کرتا ہے جو دیگر محدثین روایت نہیں کرتے (گویا کہ وہ انہیں معتبر سمجھتا ہے) بہرحال اس کی حدیث یا اس کی روایات صرف اعتبار کی حد تک لی جا سکتی ہیں۔①

---

① اعتبار سے مراد معتبر سمجھنا نہیں بلکہ یہ علم اصول حدیث کی ایک اصطلاح ہے،جس کا مطلب کسی حدیث کی سندوں کی تعداد معلوم کرنا،اور یہ دیکھنا ہے کہ یہ حدیث کتنی روایتوں اور طرق سے منقول ہے۔ایسا کرنے میں محدثین ہر طرح کی اسناد کو شمار کرتے ہیں،ضعیف ہوں یا صحیح اس سے غرض نہیں ہوتی۔(دیکھیے:الفیہ،سیوطی۔تعلیقات احمد شاکر مصری)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت تقریباً انہی الفاظ میں ان دو سندوں کے علاوہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے جو یہ ہے :ابوالبرکات بن علی ۔۔ابوبکر طوسی ۔۔ابوالقاسم طبری ۔۔علی بن عمر ۔اسماعیل بن محمد ۔۔عباس بن محمد ۔۔ابومسہر ۔لیکن اس سند میں ایک راوی اسماعیل ہے جس کے بارے میں دارقطنی کا کہنا یہ ہے کہ وہ کذاب ہے۔

(بہرحال مذکور بالا روایت سند کے اعتبار سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی) لیکن اگر اسے ثابت مان بھی لیا جائے یا یہ مرتبہ صحت اور ثبوت کو پہنچ بھی جائے تو پھر بھی اس روایت میں زیادہ سے زیادہ ایک دعا کا ذکر ہے اور ضروری تو نہیں کہ ہر دعا قبول بھی ہو کیونکہ اگر یہ دعا یا اس کی قبولیت ہر حال میں ہوتی تو پھر صفین کا اور یزید کی ولی عہد کا معاملہ کیوں ہوتا؟ ①

---

① علامہ ابن جوزی نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں بات کو جس انداز سے لیا ہے وہ بظاہر اشکال سے خالی نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہاں دعا ہدایت کی ہے اور ہدایت ضلالت اور گمراہی کے منافی ہے، اجتہادی خطاء کو شامل نہیں ۔ چنانچہ صفین کا واقعہ بتصریح اہل سنت ان کی اجتہادی خطاء پر مبنی تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہؓ کے لشکر نے ان کو شہید کیا تھا۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "تقتلک الفئة الباغية" (تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی)۔ چونکہ ان کو حضرت معاویہؓ کی فوج نے قتل کیا تھا اس لئے وہ باغی جماعت تھی ۔ اور شریعت کی اصطلاح میں باغی وہ ہوتا ہے جو امام برحق کے خلاف خروج کرے اگرچہ خروج کا فیصلہ اجتہاد ہی سے کیا ہو چونکہ صحابی تھے اور فقیہ تھے یعنی بڑے آدمی تھے، اس لئے ان کی گرفت دنیا ہی میں ہوئی کہ ان کو باغی کہا گیا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ تم لوگ تو علم و عقل والے اور مرتبے والے تھے فیصلہ کرنے میں مزید غور و فکر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ولایتِ یزید کے تحقق کا مسئلہ:

ہمارے موصوف نے بعض محدثین کے حوالے سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ یزید کی ولایت اور حکومت پر سوائے پانچ اشخاص کے باقی تمام امت راضی اور خوش تھی۔ اور ان کی رضا کے ساتھ ہی اس کی ولایت منعقد ہوئی تھی۔ اور وہ پانچ لوگ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

۴۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو خود آپ کی دو باتوں میں تعارض ہے۔ پہلے آپ نے یہ ذکر بلکہ استدلال کیا تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی تھی اب تم خود کہہ رہے ہو کہ وہ یزید کی ولایت پر راضی نہیں تھے۔ ان دونوں باتوں سے کیا سمجھا جائے؟

(گذشتہ حاشیہ) کیوں نہیں کیا؟۔ باقی رہا تولیتِ یزید کا مسئلہ تو اس کے بارے میں محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ ان کی اپنی دانست میں درست تھا۔ اور اس وقت تک یزید فاسق نہیں تھا یا کم از کم اس کا فسق ظاہر نہیں ہوا تھا۔ البتہ بعد میں یزید کا فسق ظاہر ہوا تھا اور سارے واقعات پیش آئے تھے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی نصیحتوں کی اس نے مخالفت کی تھی۔ ان باتوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ بعد والی ان باتوں کی نہ تو ان پر ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان کے حق میں کی گئی دعا کو یزید کے لیے صفائی کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ کا مقصود یہی ہے۔ اسی تناظر میں اس بات کو دیکھنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا تھا کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لیے بیعت کی مہم چلائی تھی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس دوران اس خوف سے مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور یزید کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ دوبارہ مکہ چلے گئے اور اس کے بعد انہوں نے جو بیعت کی تھے وہ اپنی جان پر خوف اور شر سے بچنے کے لیے کی تھی۔ یہ بات بخوبی ذہن میں رہے کہ جتنے بھی معتبر اور صاحب حیثیت لوگ ہیں ان میں سے کوئی آدمی حتی کہ عوام بھی یزید کی بیعت پر راضی نہیں تھے البتہ انہوں نے فتنے کے اندیشے سے سکوت کو ترجیح دی۔ دوسری طرف اہل علم حضرات یہ کہتے ہیں کہ ضرورت اور مجبوری کے پیش نظر کسی کی ولایت زور زبردستی سے بھی مسلط ہوجائے تو وہ منعقد ہوجاتی ہے۔

نظام زندگی کے لیے حکمران کی ضرورت:

اور فقہاء کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ امام اور والی وحاکم کا ہونا واجب اور ضروری ہے اور یہ اسی لیے ہے کہ دین ودنیا کے امور کا کسی انتظام کے تحت سرانجام پانا شریعت کا مقصد ہے اور یہ مقصد کسی ذی وجاہت واثر ورسوخ والے شخص کو حاکم بنائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تو اس لیے نصب امام واجب ہوگا۔

فقہاء کی اس بات کا پس منظر اور تفصیل یہ ہے کہ انسان کے لیے تنہا زندگی گذارنا دشوار ہے، وہ ایک معاشرتی مخلوق ہے جس کے لیے اسے اپنے ہم جنس دیگر انسانوں کے ساتھ مل کر رہنا پڑتا ہے۔ ایک طرف یہ اور دوسری طرف یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ ظلم کرنے اور دوسرے کے حق کو لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ تو

ایسی صورت میں کوئی ایسی قوت ہونی چاہیے جو ظلم کو روک سکے تا کہ دین و دنیا کا نظام صحیح وسالم رہے۔ اسکے علاوہ علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ امام مقرر کرنے میں (اجتماعی مصالح کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے) محض پسند اور خواہش پرستی کی بنیاد پر امام مقرر کرنا درست نہیں۔ اور مقرر کیے جانے والے امام کے لیے کچھ صفات ایسی ہیں جن کا ہونا ازحد ضروری ہے۔

اس کے بعد اگر امر واقعہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو امامت کی تمام شرائط اور اوصاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں علی الوجہ الاتم پائی جاتی تھیں اور اس دور میں کوئی دوسرا ان کے اس مقام پر پوری طرح فائز تو کیا ہوتا ان کے قریب قریب بھی نہیں تھا۔ اسی طرح اہل علم فقہاء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ افضل اور اعلیٰ شخص کے ہوتے ہوئے مفضول اور ادنیٰ کو خلفیہ اور امام بنانا درست نہیں، البتہ ایک دو صورتیں اس ضابطے سے استثناء کی حامل ہیں۔ مثلاً

(۱) یہ کہ مفضول اور ادنیٰ شخص کو امامت وخلافت سے روکنے پر فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۲) جو افضل اور اعلیٰ ہو وہ سیاست اور تدبیر سازی سے نابلد ہو یعنی اس میں انتظامی صلاحیتیں نہ ہوں۔

خلافت وامامت کے لیے افضل واولیٰ کو مقدم کرنا کیوں ضروری ہے۔ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے جو صحیحین یعنی بخاری ومسلم میں حدیث سقیفہ کے نام سے معروف ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ سقیفہ والے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی امارت کے لیے پیش کرتا ہوں تم ان میں سے جس کی چاہو بیعت کرلو حضرت عمر

نے اس موقع پر فرمایا:۔

کان واللہ ان اقدم فتضرب عنقی لا تقربنی من ذلک اثم،احب من ان اتامر علی قو م فیھم ابو بکر

خدا کی قسم! اگر مجھے سامنے لاکر میری گردن اڑا دی جائے اور مجھے ناحق قتل کر دیا جائے ،اور مجھے کوئی گناہ نہ ہو، یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں ایسی قوم کی امارت سنبھالوں جس میں ابوبکر موجود ہوں۔

یہ حدیث بالاتفاق صحیح ہے۔ہم نے رسالے کے شروع میں اپنے اس جاہل (فریق مخالف) کے حوالے سے یہ بات ذکر کی تھی ان صاحب نے یہ کہا تھا کہ حدیث سقیفہ صحیح میں نہیں ① ۔حالانکہ جسے حدیث سے کچھ بھی مناسبت ہو وہ یہ بات نہیں کہہ سکتا۔افضل کو امام و خلیفہ مقرر کرنے پر دوسری دلیل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر بھی ہے کیونکہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ نامزد کر دیا تو آپ کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا اگر اللہ نے تم سے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کی بابت سوال کر لیا تو کیا جواب دو گے؟ حالانکہ تمہیں ان کی طبیعت کی سختی معلوم ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا:

① سقیفہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو انصار ایک مکان میں جمع ہوئے اور آپس میں ایک امیر منتخب کرنے پر مشورہ کرنے لگے اتنے میں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر وغیرہ حضرات پہنچ گئے اس کے بعد اگلی بات پیش آئی۔اس واقعے کو سقیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔باقی اس عبارت میں جو احتمال ہے اسے شروع میں ذکر کیا گیا ہے۔

اجلسو نی! اباللہ تخوفونی ؟اقول: اللّٰھم استخلفت علیھم خیر خلقک.

مجھے بٹھادو! کیا تم مجھے خدا کے نام کا ڈراوا دیتے ہو؟ اللہ نے اگر سوال کیا تو میں یہ جواب دونگا یا اللہ میں نے امت پر ان سب میں سے بہترین شخص کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔

اس طرح صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کے نصب وتقرر کا معاملہ چھ آدمیوں کی شوریٰ کے حوالے کر دیا تو ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اس شوری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما بطور مشیر شریک ہونگے البتہ امارت وخلافت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا حالانکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما تو یزید جیسے اگر ہزار آدمی بھی اکٹھے ہو جائیں ان سے بہتر ہیں۔

ان تمام باتوں سے جب یہ واضح اور ثابت ہوگیا کہ صحابہ کے ہاں امارت وخلافت کے لیے افضل واولی کو آگے اور مقدم سمجھا جاتا تھا تو اب کیا اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مقابلے میں خلافت وامارت کے زیادہ حقدار تھے۔ بلکہ یزید کے مقابلے میں وہ تو لوگ بھی زیادہ حقدار تھے جو حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ سے مرتبے میں کم تھے جیسے حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان چاروں حضرات میں سے ہر ایک ایسا ہے جس کو شرف صحابیت، اعلٰی حسب ونسب، بہادری، صلاحیتیں اور تقویٰ کے علاوہ وافر علم بھی حاصل تھا اور یزید تو ان اوصاف میں سے کسی بھی وصف میں ان حضرات کا پاسنگ بھی نہیں، تو پھر آخر کس وجہ سے یزید خلافت کا زیادہ حقدار ہوگا۔اور یزید کی بیعت پر تو نہ کوئی عالم راضی تھا اور نہ کوئی جاہل آج

بھی اگر کسی جاہل سے جاہل آدمی سے بھی اگر پوچھا جائے کہ یزید اور حسین رضی اللہ عنہ میں سے کون بہتر تھا؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ حسین رضی اللہ عنہ بہتر تھے۔

امارتِ یزید کی شرعی حیثیت:

ان تمام باتوں سے معلوم ہوگیا کہ یزید کی خلافت و امارت زور زبردستی کی تھی اور لوگ جو اس پر خاموش رہے تو وہ صرف خوف کی وجہ سے ہوئے تھے اور یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کی بیعت نہ کرنے والوں میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اس کے بعد جب انہوں نے اس کو اپنے لیے خطرہ (بے فائدہ) سمجھا تو انہوں نے بیعت کرلی۔ ہمارے موصوف (عبدالمغیث) صاحب کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت تو نظر آ گئی لیکن ان کے ذہن سے یہ ذہول ہوگیا کہ یہ بیعت تو زور زبردستی کی تھی۔ اور جب اہل عراق نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس آنے پر بیعت کرنے کا کہا تو ان کا یہ خیال تھا کہ وہ زیادہ حق دار ہیں اور ان کو وہاں سے مدد کی توقع بھی تھی۔ لیکن انہوں نے امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ نیز یزید کو نا اہل اور اپنے آپ کو اہل سمجھنے ہی کی بنا پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا اعلان کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے یہ موصوف جائز و مستحق حاکم اور ناجائز حاکم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں حالانکہ غیر مستحق پر تو صبر اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ وہاں مجبوری ہوتی ہے۔ (اور اس صبر کی وجہ سے اس کے اہل ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔)

ظالم حکمران کی اطاعت کا مسئلہ:

ہمارے موصوف حمایت یزید میں وہ احادیث بھی کھینچ تان کرلائے ہیں

جن میں حکمرانوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ حکمران ظالم ہی کیوں نہ ہوں اور اسکے بعد اپنی تائید میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی لائے ہیں جو یہ ہے:

اری الغزومع الائمة وان جاروا واری الصلاة خلف کل بروفاجر وقد صلی ابن عمر خلف الحجاج .

"میرا خیال یہ ہے کہ اگر چہ حکمران ظالم بھی ہوں بھی ان کی معیت میں جہاد کرنا چاہیے۔اسی طرح ہر مسلمان خواہ نیک ہو یا بد اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے۔خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجاج کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے"۔

(مذکورہ بالا احادیث اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے استدلال کے جواب میں) ہم کہتے ہیں:

ارے کم عقل آدمی! یہ تو مجبوری کی حالت میں جواز اور گنجائش کی بات ہے یہی وجہ ہے کہ خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ یوں فرمایا:

نسمع للبر والفاجر ولمن غلب بالسیف .

ہم اپنے ہر اچھے برے حکمران کی بات سنیں گے اور ہر اس شخص کی جو بزور شمشیر غلبہ پا لے۔

یہ ساری باتیں تو محض فتنے سے بچنے کے لیے ہیں (نہ یہ کہ ان کو صحیح سمجھنا ہے) خود صحابہ حجاج جیسے ظالم شخص کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاء و تکلیف پر مجبوری کی وجہ سے صبر کیا کرتے تھے۔ حضرت حسن

بصری ؒ حجاج پر لعنت اور اس کے خلاف بدُعا کیا کرتے تھے البتہ اس کے خلاف لڑائی سے منع کیا کرتے تھے کیونکہ اس میں فتنے اور فائدے سے زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا۔ مازنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت حسن بصری ؒ کی مجلس میں تھا کہ وہاں سے حجاج کا گذر ہوا وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا اور پھر کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

اے ابو سعید! مجھے فلاں جگہ جانے کا حکم دیا گیا ہے اور گھوڑا اور اسلحہ بھی خریدنا ہے حالانکہ میرے پاس تنخواہ میں نہ تو گھوڑے کی گنجائش ہے اور نہ میرے اہل خانہ کا خرچہ ہے۔

اس شخص کی یہ (لجاجت بھری) بات سن کر حضرت حسن بصری ؒ کی آنکھیں چھلک پڑیں، پھر فرمایا:

اللہ ان حکمرانوں کا ستیاناس کرے انہوں نے بندگان خدا کو غلام، بیت المال کو جاگیر اور کتاب خدا یعنی قرآن مجید کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ شراب کو نبیذ کے نام سے حلال کر لیا ہے، ناحق مال لیتے ہیں اور خدا کی نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں، جب کوئی دشمن خدا آتا ہے تو اس کے لیے مال سے بھرے تہ خانے اور لدے ہوئے خچر ہوتے ہیں اور جب ان کا اپنا عام مسلمان بھائی آئے تو اسے آدھی رات کی تاریکی میں پیدل چلنا پڑتا ہے۔

ایک دفعہ حجاج نے خطبہ بہت طویل کر دیا حتی کہ عصر کا وقت نکلنے لگا تو حضرت حسن بصریؒ نے کہا: الصلوۃ جامعہ۔ یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ پھر اپنے

آس پاس بیٹھے لوگوں کو دیکھا اور کہا:

بعث الیهم اخیفش اعیمش ملعون معذب .

ان لوگوں کی طرف ایسا آدمی بھیجا گیا ہے جو چندھیائی آنکھوں والا، لعنتی اور عذاب کا مستحق ہے

پھر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور دیگر لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ حجاج کو مجبوراً خطبہ ختم کر کے اترنا پڑا۔ چنانچہ اترا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہاں طلب کیا لیکن انہیں کچھ کہہ نہ پایا۔ سعید بن یزید سے مروی ہے کہ ہم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی نے آ کر یہ خبر دی اے ابوسعید! حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کر دیا ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لعنة الله علی الحجاج الفاسق بن یوسف .

حجاج بن یوسف فاسق پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہو۔

اشعث حدانی سے مروی ہے کہ میں نے حجاج بن یوسف کو خواب میں بڑی بری حالت میں دیکھا میں نے اس سے پوچھا تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ تو اس نے جواب دیا میں نے جتنے بھی قتل کیے تھے ان میں سے ہر ایک قتل کے بدلے میں مجھے قتل کیا گیا۔ میں نے کہا پھر؟ اس نے کہا پھر مجھے آگ کا حکم سنایا گیا۔ میں نے کہا پھر؟ اس نے کہا پھر میں اب وہی امید رکھتا ہوں جو ہر کلمہ گو مسلمان رکھتا ہے۔

حضرت ابن سیرین فرمایا کرتے تھے مجھے اس کے بارے میں امید ہے (یعنی اللہ اسے ایک نہ ایک دن بخش دیں گے) جب یہ بات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا۔ اُنہوں!۔ اللہ ابن سیرین کی امید کو ہرگز پورا نہیں فرمائیں گے

عمرو بن عثمان اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو خط لکھا اور اس میں یہ فرمایا:۔

لاتستن بسنة الحجاج فانه كان يصلى الصلاة لغير وقتها وياخذ الذكاة فى غير حقها وكان لماسوى ذلك اضيع .

تم حجاج کے طریقے اور روش پر نہ چلنا کیونکہ وہ نماز بے وقت پڑھتا تھا اور زکوۃ ناحق وصول کرتا تھا اور ان دو باتوں کے علاوہ باقی امور کو تو اور بھی خراب کرتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی سے یہ بھی مروی ہے:

لو ان الامم تخابثت يوم القيامة فاخرجت كل امة خبيثها ثم اخرجنا الحجاج لغلبناهم.

اگر قیامت والے دن تمام امتیں خباثت میں باہم مقابلہ کرنا چاہیں اور ہر امت اپنے سب سے بڑے خبیث کو سامنے لائے اور ہم اپنے حجاج کو سامنے لائیں تو ہم ان سے بڑھ جائیں گے (کیونکہ حجاج سے بڑھ کر خبیث کسی کے پاس بھی نہ ہوگا)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا طرزِ حکومت:

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی حکام کو ظلم کی وجہ سے ملامت کیا کرتے تھے اور ان کے والی ہونے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبدالعزیز سے منقول ہے کہ جب حضرت

عمر بن عبد العزیزؒ کو والی بنایا گیا تو انہوں وہ تمام نا جائز اور ظلم کی چیزیں جو خود ان کے پاس تھیں یا ان کے اہل خانہ کے پاس تھیں ان کو ایک ایک کر کے واپس کر دیا جب یہ بات عمر بن ولید بن عبد الملک کو پہنچی تو اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خط لکھا:

انک ازریت علی من قبلک من الخلفاء وسرت بغیر سیرتہم وخصصت اہل قرا بتک بالظلم والجور.

تم نے اپنے سے پہلے والے خلفاء کو بٹا لگا دیا (ان کی ساکھ خراب کر دی ہے) اور تم نے ان کے طریقے سے الگ طریقہ اپنا لیا ہے اور تم اپنے اہل خانہ اور قریبی لوگوں پر ہی ظلم کرنے لگے ہو (یعنی جو مال وغیرہ واپس کیے ہیں)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جواب لکھا:۔

اما اول شانک ابن الولید کما زعم فامک بنانة کانت تطوف فی سوق حمص واللہ اعلم بها اشتراها ذبیان من فئی المسلمین ثم اهداها لابیک فحملت بک فبئس المحمول وبئس المولودثم نشات فکنت جباراً عینداً تزعم انی من الظالمین. وان اظلم منی واترک لعهداللہ،من استعملک صبیاسفیها علی جند المسلمین تحکم فیهم برائیک فویل لک وویل لابیک! ما اکثر خصو مکما یوم القیامة وکیف ینجو ابوک من

خصما ئه؟ وان اظلم منی واترک لعهد الله من استعمل الحجاج بن یوسف یسفک الدم الحرام ویاخذ المال الحرام .وان اظلم منی واترک لعهد الله من استعمل قرة بن شریک اعرابیاً حافیاً علی مصر،اذن له فی المعازف واللهو والشرب، وان اظلم منی واترک لعهد الله من جعل لغالیة البر بریة سهما فی خمس العرب، فرویداً لوتفرغت لک ولاهل بیتک وضعتکم علی المحجة البیضاء فطالماترکتم الحق واخذتم فی بنیات الطریق ،وماوراء هذه مارجوان یکون رایته بیع رقبتک وقسم ثمنک بین الیتامی والمساکین والا رامل فان لکل فیك حقاً.

اے ابن ولید! تمہاری ابتداء تو اس کے بارے میں جیسا کہ مشہور ہے کہ تمہاری ماں بنانہ (باندی) حمص کے بازار میں گھومتی تھی، وہاں سے ذیبان نے مسلمانوں کے مال غنیمت سے اس کو خرید کر تمہارے باپ کو ہدیہ کر دیا جس کے بطن میں تمہارا حمل ہوا یہ حمل بھی برا تھا اور یہ بچہ بھی برا تھا۔ پھر جب تم بڑے ہو گئے تو ظالم اور جابر قسم کے انسان بن گئے۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ میں ظلم کر رہا ہوں حالانکہ میرے سے بڑا ظالم اور عہد خداوندی کو پس پشت ڈالنے والا تو وہ شخص ہے جس نے تیرے

جیسے ناسمجھ بچے کو مسلمانوں کے لشکر کا امیر بنا دیا چنانچہ تو وہاں اپنی من مانی کے فیصلے کرتا ہے تیرا بھی ناس ہو اور تیرے باپ کا بھی۔ قیامت والے دن تمہارے خلاف کتنے لوگ مدعی ہونگے اور تمہارا باپ ان مدعیوں سے کیسے بچ پائے گا؟۔ اور میرے سے زیادہ ظالم اور عہد خداوندی کو توڑنے والا وہ شخص ہے جس نے حجاج بن یوسف جیسے شخص کو حکمران بنایا جو ناحق خون بہاتا پھرتا تھا اور مال حرام کھاتا تھا۔ اور سن! میرے سے زیادہ وہ شخص ظالم اور عہد خداوندی کو توڑنے والا ہے جس نے قرہ بن شریک جیسے بے ننگ و عار دیہاتی کو مصر کا حکمران بنا دیا اور اس کو گانے باجے لہو و لعب اور شراب کی چھوٹ دیدی۔ اور میرے سے بڑھ کر تو وہ شخص ظالم اور عہد باری تعالیٰ کا تارک ہے جس نے (غالب بربریت کے لیے) عربوں کے خمس میں سے حصہ مقرر کیا۔

ٹھہر! تو صبر کر! اگر مجھے موقع ملا تو میں تم کو اور تمہارے گھر والوں کو کھلے اور واضح کر کے سب کے سامنے لاؤں گا۔

تمہیں حق چھوڑے ہوئے عرصے ہو گئے ہیں اور تم نے من مانی کے راستے اختیار کر رکھے ہیں۔ اس کے بعد میرا خیال یہ ہے کہ میں تم کو بیچوں اور تمہاری قیمت عام یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں میں تقسیم کر دوں کیونکہ (تم بیت المال کی باندی کی اولاد ہو لہذا) تمہاری ذات میں سب کا حق ہے۔

ابن شوذب کہتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مال غنیمت پیش کیا گیا جن میں باندیاں بھی تھیں جب بھی کوئی باندی سامنے آتی تو ولید بن عبدالملک کا بیٹا عباس کہتا: امیر المومنین! اس باندی کو اپنے لیے رکھ لیں۔ جب اس نے بار بار یہی بات کہی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سختی سے کہا:

تم مجھے زنا کا حکم دیتے ہو؟

اس کے بعد جب عباس وہاں سے باہر آیا تو لوگوں سے کہنے لگا: تم ایسے آدمی کے دروازے پر کیوں بیٹھے ہو جس کا یہ خیال ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد زانی تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا: کیا اس عورت کا حق تم اس کو نہیں دو گے؟ یعنی میراث وغیرہ سلیمان نے کہا کون سی عورت؟ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فاطمہ بنت عبدالملک (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اہلیہ اور سلیمان کی بہن) اس کے جواب میں سلیمان نے کہا: کیا آپ کو امیر المومنین عبدالملک کی وصیت معلوم نہیں؟ جاؤ بھائی! وہ امیر المومنین کی تحریر لے کر آؤ اس تحریر میں یہ الفاظ تھے:

لیس للبنات شیئ

بیٹیوں کا میراث میں کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا:

الی المصحف ارسلته ؟

کیا تم نے اسے قرآن پاک کے پاس بھی بطور شاہی فرمان بھیجا ہے؟۔

(یعنی قرآن بیٹیوں کا حق دینے کا کہتا ہے اور تم نے یہ کہا ہے، تو بہتر ہوتا کہ اپنا یہ پیغام اور وصیت قرآن کو بھی ارسال کر دیتے تا کہ وہ بھی اپنے حکم میں تبدیلی کر لیتا۔ نعوذ باللہ!)

جب سلیمان بن عبدالملک کی تدفین کا موقعہ آیا تو عمر بن عبدالعزیزؒ اور ان کے بیٹے سلیمان نے اس کو قبر میں اتارا۔ اس کی میت کو ان کے ہاتھوں میں جھٹکا لگا اور ایسے لڑکھڑائی تو اس کے بیٹے نے کہا (عاش واللہ ابی) ابھی میرا والد زندہ ہے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لا، واللہ! ولکن عوجل ابوک.

بخدا یہ جھٹکا اور حرکت زندگی کے آثار نہیں یہ تو تمہارے باپ کو ملنے والے عذاب کی پیشگی (قسط) ہے۔

حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ:۔

ما اصلی للہ الا دعوت علی بنی مروان.

میں ہر نماز کے بعد بنو مروان کے لیے بددعا کرتا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خارجیت:

ہمارے موصوف اور فریق مخالف (عبدالمغیث حنبلی صاحب) نے یہ بھی گل افشانی کی ہے کہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خارجی (باغی) تھے (نعوذ باللہ)

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ خارجی تو وہ ہوتا ہے جو کسی امام برحق کے خلاف خروج کرے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خروج تو باطل کو ختم کرنے اور حق کو قائم کرنے کے لیے تھا۔

میں نے ابن عقیل کی اپنی تحریر نقل کی ہے جس میں یہ تھا کہ ایک آدمی نے یہ کہا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خارجی تھے۔ اس سے میرے دل پہ چوٹ لگی۔ میں نے سوچا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو ان میں اتنی صلاحیت ہوتی کہ وہ نبی بن سکتے۔ چلو مان لیا حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا مرتبہ ابراہیم سے کم ہے حالانکہ خود نبی علیہ السلام نے ان دونوں حضرات کو اپنا بیٹا فرمایا۔ چلو پھر بھی کیا آپ کے ان نواسوں میں اتنی صلاحیت بھی نہیں کہ وہ آپ کے بعد خلیفہ اور امام بن سکیں۔

بہر حال! حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خارجی (باغی) کہنا اور بنوامیہ کے دبدبے کی وجہ سے انہیں امامت وخلافت کے استحقاق سے خارج کرنا، یہ ایک ایسا کام ہے جو دین ودانش کے تقاضوں کے بالکل مخالف ہے۔ ابن عقیلؒ فرماتے ہیں:۔

جب تمہارے دل میں لوگوں کی بابت وفاداری اور اداء حقوق کا خیال اور توقع آئے تو اسے اپنے دل کا وہم سمجھو، کیوں کہ تمہاری کیا حیثیت ہے۔؟

یہ دیکھو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جن کے مخلوق پر سب سے زیادہ احسانات اور حقوق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ضلالت سے نکال کر شاہراہ ہدایت پہ ڈالا، جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم سے روشناس کرایا، ناداروں اور بھوکوں کو کھانا کھلایا، بے حیثیت لوگوں کو عزت وقار عطا فرمایا پھر آخرت میں لوگوں سے اپنی شفاعت کا وعدہ فرمایا اور اس سب کچھ کے بعد صرف اتنا فرمایا:

قل لااسالکم علیه اجرا الاالمودة فی القربیٰ[1]

ترجمہ فرمادیجیے: میں اس کام پر صرف رشتہ داری کے لحاظ

اور محبت کا سوال کرتا ہوں۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا کیا؟ آپ کے صحابہ کو قتل کیا آپ ﷺ کی آل اولاد کو شہید کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے یزید کی رعایت:

ہمارے فریق مخالف صاحب نے یہ بات بھی کہی ہے کہ تم یزید کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے احترام اور لحاظ میں ہی کم از کم یزید کے بارے میں سکوت کرلو اور اسکے بارے میں کچھ نہ کہو۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں:۔

> جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت نہیں کیا، خلال چپ نہیں رہے ان کے غلام ابوبکر عبدالعزیز نے سکوت نہیں کیا قاضی ابویعلی نے خاموشی نہیں اختیار کی اور ان کے بیٹے ابوالحسین نے کف لسان سے کام نہیں لیا تو ہم کیوں کریں؟ حالانکہ ابوالحسین تو تمہارے استاذ اور شیخ بھی ہیں تم نے اپنے شیخ اور استاذ کی موافقت کیوں نہیں کی؟

اصل بات یہ ہے کہ تمہارے لیے ان کی موافقت وتائید کرنے میں دو باتوں میں سے ایک بات مانع اور رکاوٹ ہے۔ یعنی اس طرز عمل کی وجہ یا تو تمہاری جہالت اور نادانستگی ہے۔ یا پھر اس کے پیچھے کوئی ایسی بات ہے جیسے تم ہی بہتر جانتے ہو۔ (باقی رہی تمہاری اصل بات کہ اگر باپ اچھا ہو تو بیٹے کو کچھ نہ کہنا چاہیے تو یہ بالکل فضول بات ہے) کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب لوگوں کا اتفاق ہے اور ان کو تسلیم ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ یعنی دنیا میں ہی جنت کا پروانہ حاصل کرنے والے دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں۔ وہ بدری اور اصحاب

شوری میں سے بھی ہیں۔ اس کے باوجود جب ان کے بیٹے عمر کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیے گئے سلوک اور عمل کی بات آئی تو لوگوں نے باپ کی وجہ سے اس کے بارے میں سکوت اختیار نہیں کیا (اور دین تو ہر شخص کو اپنے کیے کا ذمہ دار بناتا ہے۔) اس میں محابات، رعایت اور لحاظ نہیں چلتا۔ (لاتزر وازرۃ وزر اخری)

یزید کی سخاوت کا سہارا:

ان صاحب نے یزید کی حمایت اور طرفداری کے لیے بطور استدلال اور دلیل اس بات کو بھی پیش کیا کہ یزید سخی آدمی تھا، اس نے عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو چار ہزار درہم عطیہ کیا۔

لیکن ہم اس کے جواب میں یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ تو تم نے نادان دوست کا کردار ادا کیا ہے کیونکہ تم نے جو بات اس کی مدح اور تعریف کے طور پر کی ہے وہ درحقیقت اس کی مذمت ہے کیونکہ یہ عطایا تو اس کے اپنے مال میں سے نہیں تھے بلکہ عامۃ المسلمین کے بیت المال سے تھے۔ جو آدمی ایسا کرے وہ قابل تعریف وتوصیف نہیں ہوتا کہ بلکہ قابل مذمت ہوتا ہے (اور یزید کا لوگوں کو دینا اس کی سخاوت کی وجہ سے تھوڑی تھا) وہ تو صرف اسی وجہ سے دیا کرتا تھا کہ لوگ خاموش رہیں اور اس کے بارے میں کوئی بات نہ کریں۔

کیا یزید تابعی تھا؟:

ہمارے موصوف صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یزید قرن ثانی کا آدمی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:۔

خیر کم قرنی ثم الذین یلونھم .

تمہارے لیے سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد کے لوگ۔

(اس بات کو عام طور سے یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ یزید تابعی تھا)

لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس حدیث میں اس زمانے میں عمومی طور سے خیر کے غالب ہونے کا کہا ہے نہ کہ ہر ہر آدمی کے خیر ہونے کا کیونکہ اس زمانے میں بھی فاسق وفاجر تو یقینی طور سے تھے۔ حجاج جیسا شخص بھی تو قرن ثانی ہی کا آدمی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر ظالم اور بدعتی لوگ بھی تو اس زمانے کے تھے تو کیا محض زمانے میں ہونے سے آدمی کی خیر پر استدلال کیا جا سکتا ہے؟ (خود قرآن کریم میں ہے:

والذین اتبعوهم باحسان.

ترجمہ: اور وہ لوگ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آئے اچھے طریقے سے۔

یہاں اتباع بالاحسان کو شرف تابعیت کے لیے وصف لازم اور شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ گویا تابعی وہ ہے جو صحابہ کے بعد ہو اور اسلام کے تقاضوں پر اچھے طریقے سے کاربند اور عمل پیرا رہے۔ اسی وجہ سے محدثین کے ہاں بھی صحابی میں تو اس کی ثقاہت کے لیے صحابی ہونا ہی کافی ہے لیکن تابعین میں بالاتفاق ہر شخص کی ذاتی حالت دیکھ کر ہی اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔)

یزید اور تلاوتِ قرآن:

ہمارے ممدوح نے یزید کی حمایت کے لیے یہ بھی کہا ہے کہ روایتوں میں آتا کہ کچھ لوگ یزید کے پاس گئے تو اس کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوتے دیکھا۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں:

(یہاں اصل کتاب کی عبارت مخطوطے میں نہ ہونے کی وجہ سے موجود نہیں اور کتاب کا کوئی اور مطبوعہ نسخہ بھی دستیاب نہیں۔ لیکن اس اشکال کا جواب بظاہر یہی ہوگا کہ کسی ظالم وفاسق آدمی کے قرآن پڑھنے سے اگر اس کے صالح ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے تو پھر حجاج بن یوسف اور دیگر ظالم حکمرانوں کو بھی صالح ماننا

پڑے گا کیوں کہ وہ لوگ ایک ایک جگہ پر کئی کئی پارے پڑھ جایا کرتے تھے۔اور خوارج کا تو صبح شام کا مشغلہ ہی قرآن کی تلاوت تھا،ان کے خیموں سے تلاوت کی آواز ایسے آتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔پھر بھی ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ وہ ٹولہ اسلام سے ایسے نکل جائے گا جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ بہر حال کسی کے صرف قرآن پڑھنے سے اس کے صالح ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔(واللہ اعلم بمراد المصنف)

دعائے خاتمہ:

آخر میں ہم اللہ کے حضور اس بات کے لیے دعا گو ہیں کہ یا اللہ! خرد و دانش کو ہمارے لیے مفید اور کام کی چیز بنا اور ہمیں اہل بدعت اور خواہش پرستوں کی ہاں میں ہاں ملانے سے محفوظ فرما۔اللہ رب العزت ہی دعاؤں کو قبول کرنے اور سننے والے ہیں۔تمام کی تمام تعریفیں اکیلے حق تعالیٰ کے لیے ہیں۔اللہ رب العزت سیدنا وسید الرسل حضرت محمد ﷺ اور ان کے صحابہ اور آپ کے آل پر رحمت اور سلام نازل فرمائیں آمین۔

اختتام ترجمہ:

آج بروز سوموار بتاریخ ۲۰ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ بوقت چاشت اس ترجمے کی تسوید سے فراغت حاصل ہوئی جس کی ابتدا ۱۰ صفر بروز ہفتہ ہوئی تھی ۔اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سے عمل کو قبول فرمائیں اور سیئات اور لغزشوں سے درگزر فرمائیں اور اخلاص کی دولت اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائیں!

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین

شعیب احمد

دارالافتاء والتحقیق، چوبرجی پارک، لاہور